اہل بیت حلال مشکلات

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

محفوظ بک ایجنسی
مارٹن روڈ کراچی
Tel: 424286 - 4917823

اہل بیت حلال مشکلات

اردو ترجمہ

کل الحلول عند آل الرسول

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

ترجمہ

سید امتیاز حیدر

ترتیب و تدوین

اے ایچ رضوی

محفوظ بک ایجنسی مارٹن روڈ کراچی

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

MBA

16-
18-
30-
152~164
218
228

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ______ اہل بیتؑ حلال مشکلات

تالیف: ______ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

ترجمہ: ______ سیّد امتیاز حیدر رضوی (جہانیاں پوری)

زیر نظر: ______ سیّد احتشام عباس زیدی

کمپوزنگ: ______ احمد گرافکس، کراچی

طبع اول ایران: ______ انصاریان پبلیکیشنز، قم، اسلامی جمہوریہ ایران

طبع اول پاکستان: ______ محفوظ بک ایجنسی، کراچی

ترتیب وتدوین: ______ اے ایچ رضوی

قیمت: ______ =/۸۵ روپے

ضروری نوٹ

اس کتاب میں ۹۱ ضروری حوالہ جات ہیں۔ جو کہ صفحہ ۲۷۶ سے صفحہ ۲۸۶ تک دیئے گئے ہیں۔
دوران مطالعہ جہاں بریکٹ میں ( ) حوالہ نمبر آئیں گے۔ ان کی تشریح کتاب کے آخری صفحات میں ملاحظہ کریں۔ شکریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

عرض مترجم ۷
مقدمہ ۹
پیش لفظ ۱۳
یہ ہے سچا دین ۲۰
راہ پیغمبرؐ کو جاری رکھنے والے ۲۳
دین سے لگاؤ ماضی و حال میں ۳۳
کیا اسلام پر عمل مشکل ہے؟ ۴۲
کیا اسلام ترقی کو قبول کرتا ہے؟ ۴۷
سیاسی مشکلات، تمدن کا نتیجہ ۵۸
نیکی کی طرف دعوت اور برائی سے روکنا ۶۲
مہذب انسان، آسان شریعت ۶۶
شیعہ! چند سطروں میں ۷۴

شیعہ! قرآن کریم کی روشنی میں ۷۵
شیعہ آنحضرتؐ کے اقوال میں ۷۸
اے کاش! اس روز، تمام مسلمان شیعہ ہو جاتے! ۸۱
ہدایت کے لئے جد و جہد ۱۰۸
شیعہ ہی اہل سنت ہیں لیکن ۱۱۹
کل یوم عاشورا کل ارض کربلا ۱۲۳
شیعہ اور نماز ۱۲۹
شیعہ اور نماز جمعہ ۱۳۸
مسجدوں میں سگریٹ پینا ۱۴۱
ختم بحث ۱۵۱
شیعہ اور سنی برخلاف وہابیت ۱۶۰
خوارج اور وہابیت میں اتحاد ۱۷۲
وہابی عالم سے گفتگو ۱۸۲
وہابیت پر رسول خداؐ کی رد ۱۹۳
موئے مبارک رسولؐ خدا کا احترام ۱۹۴
بعد وفات آنحضرتؐ کے آثار کا احترام ۱۹۶
پیغمبرؐ تبرک اور احترام کو جائز سمجھتے ہیں! ۲۰۰
محمدؐ در شہوار ۲۰۳
نبیؐ کے ذریعہ خدا سے شفا طلب کرنا ۲۰۶
وہابیت کی تاریخی حیثیت ۲۱۰
وہابیت اور زیارت قبور کی تحریم ۲۱۵
اہل بیتؑ اور آج کا مسلمان ۲۱۸

مکتب اہل بیتؑ میں مشکل کا حل ۲۲۱
یہ ہے وضو ۲۲۲
یہ ہے نماز ۲۲۳
یہ ہے زکات ۲۲۸
موقت شادی (متعہ) کی اہمیت ۲۳۳
اسلامی سماج میں عورت کی مظلومیت ۲۳۶
راہ حل، موقت شادی (متعہ) ۲۴۴
موقت شادی (متعہ) کے فائدے ۲۴۹
حضرت مہدیؑ ۲۵۹
اہل بیتؑ کی کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ ۲۶۲
عدالت میں ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ ۲۶۶
حوالہ جات ۲۷۶

عرض مترجم

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی دور حاضر میں دنیائے تشیع کی ایک جانی پہچانی شخصیت کا نام ہے۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم سے آراستہ اس شخصیت نے خود سے راہ حق وحقیقت کی جستجو کی خاردار وادی میں قدم رکھا اور منزل حق تک پہنچ کر دم لیا۔ آج یہ عظیم شیعہ مبلغ اور بے مثل صاحب قلم اپنی بے دریغ کاوش اور بے مثال جہاد لسان وقلم کے ذریعہ پوری دنیا کو مکتب اہل بیتؑ کی حقانیت سے روشناس کرانے میں ہمہ تن سرگرم عمل ہے۔

تیونس نام کے ایک اسلامی افریقی ملک کے باشندہ ڈاکٹر تیجانی نے اب تک دنیا کے بہت سے ملکوں کا دورہ کیا اور ہزاروں بھٹکے ہوئے افراد کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے۔ ان کی کئی کتابیں ''پھر میں ہدایت پاگیا''، ''میں بھی سچوں کے ساتھ ہوجاؤں''، ''شیعہ ہی اہل سنت ہیں''، دنیا کی بہت سی اہم زبانوں میں عربی سے ترجمہ ہوکر شائع ہوچکی ہیں بلکہ ایک ایک کتاب کے دس دس اور بیس بیس ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔

قارئین! اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کا اصل نام ''کل الحلول عند آل الرسولؐ'' ہے، اس کا فارسی ترجمہ بنیاد معارف اسلامی قم کی جانب سے ''اہل بیتؑ کلید مشکلھا'' کے نام سے شائع ہوا جس میں فارسی مترجم نے بعض حاشیہ بھی لکھے ہیں۔ اسی کا اردو ترجمہ ''اہل بیتؑ حلال مشکلات'' کے عنوان سے پیش خدمت ہے۔ یہ کتاب اپنے اسلوب کے اعتبار سے بقیہ کتابوں سے جدا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اغیار کے معائب پر

روشنی ڈالتے ہوئے اپنے مسلک میں پیش آنے والی بعض چیزوں پر بھی اس طرح قلم چلایا ہے جیسے جراح کسی پھوڑے کا آپریشن کرتا ہے اور اس کا علاج کرتا ہے۔ سطحی نقطہ نظر سے ان کی بعض تحریریں سخت ہیں اور مترجم ان میں اپنی رائے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن اس میں وہ مفید مطالب بھی ہیں جن کا گہری نظر سے مطالعہ پوری ملت اسلامیہ کو راہ ثواب سے ہمکنار کرسکتا ہے۔ حقائق کتنے ہی تلخ ہوں ہمیں ان کا اعتراف کرنا ہی چاہیے۔ بہر حال مجموعی طور سے یہ کتاب مصنف کی جرات و ہمت کی پوری عکاسی کرتی ہے۔

خداوند عالم ہم کو راہ حق کی معرفت اور اس پر مضبوطی سے گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سید امتیاز حیدر

مقدمہ

حمد و ثناء خدا کے لیے سزاوار ہے اور وہی سارے عالم کا پروردگار ہے۔ اور اعلیٰ ترین درود و سلام پروردگار عالم کی جانب سے منتخب حضرت ابو القاسم محمدؐ بن عبداللہ پر ہو جو عالمین کے لیے رحمت، ہمارے سید و سردار، آخری پیغمبر اور اللہ کے رسولؐ ہیں اور آنحضرتؐ کی عترت طاہرہؑ جو ہدایت کی نشانی، گمراہی سے نجات کی مشعل، امت کا سہارا اور ملت کے نجات دہندہ ہیں۔

خداوند عالم نے محمدؐ و آل محمدؐ کی برکت سے ہم پر احسان کیا اور حق کی شناخت کے لیے ہدایت فرمائی۔ ایسا حق کہ جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں ہے اور مجھے ان میووں کا مزہ چکھایا جو میری چھ کتابوں کا ثمرہ تھے۔

حق کو بیان کرنے کی وجہ سے میری کتابوں پر پردہ ڈال دیا گیا تھا لیکن خدا کے فضل و کرم سے شائع ہوئیں اور ان کی وجہ سے بہت سے سچے اور حق کے جویا پاکیزہ طینت مومنین عترت طاہرہؑ کے گرویدہ ہوگئے اور ایمان کا جز بن گئے جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔

"وما یعلم جنود ربک الا ھو" (مدثر/۳۱)

خدا کی فوج کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔

جو خطوط دنیا کے کونے کونے سے یہاں پیرس اور تیونس میں ہمیں مل رہے ہیں وہ ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اور ہمیں اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ فرج الٰہی نزدیک ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں میں اس کی اس آیت کو ورد کرنے لگتا ہوں کہ۔

"ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباسآء و الضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول و الذین آمنوا معه متیٰ نصر اللّٰہ الآ ان نصر اللّٰہ قریب" (بقرہ/۲۱۴)

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ جن آزمائشوں سے بزرگوں کو گزرنا پڑا ان کے بغیر جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔ وہ رنج و مصیبت میں گرفتار ہوئے، سختیاں برداشت کیں اور اس طرح ان میں لرزہ پیدا ہوا کہ انبیاء اور ان کی پیروی کرنے والے مومنین بارگاہ پروردگار میں گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا کی جانب سے نصرت کب پہنچے گی؟ بے شک (مومنین کو بشارت دے دو) کہ خدا کی نصرت قریب ہے۔"

ان ڈھیر سارے خطوط کے پڑھنے کے بعد احساس کرتا ہوں کہ بھلائی کبھی بھی بند نہ ہوگی۔ اور حق ہمیشہ کامیاب ہے۔

"بل نقذف بالحق علیٰ الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق" (انبیاء/۱۸)

"ہم ہمیشہ باطل پر حق کو غالب رکھیں گے تاکہ وہ باطل کو سرنگوں کرکے نابود کرے۔"

اور جب خود خداوند عالم نے باطل کو مٹانے کا عہد کرلیا ہے تو میں جس چیز کے حق ہونے کا معتقد ہوں اس کے اظہار میں لیت و لعل نہ کروں گا یہاں تک کہ خداوند عالم میرے اور کج فکروں کے درمیان فیصلہ کردے۔ یہ حق سے دور بھاگتے ہیں۔ اور جس چیز کے عادی بن گئے ہیں۔ چاہے وہ سو فیصد ہی غلط ہو۔ اس کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہیں کرتے، باطل سے پرہیز نہیں کرتے۔

میں پھر خداوند عالم سے ان کے لیے ہدایت کی آرزو رکھتا ہوں اس لیے کہ صرف وہی ہے کہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

اور چونکہ بہت سے قارئین اور حق کے جویا افراد کے ساتھ خطوط کے ذریعہ یا ان سے ملاقات کے وقت، یا اپنی تقریروں میں مختلف موقعوں پر تند و ترش ہوجاتا ہوں۔ لیکن مجھے اس بات کا احساس ہے کہ بعض افراد ہماری باتوں کو حق سمجھتے ہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ اسلام کی نابودی کی خاطر مشرق و مغرب متحد ہوچکے ہیں ہم ایسی مشکلات کھڑی نہیں کرنا چاہتے۔ جو مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچائیں۔

ہم نے ان کی اس بات کو ایک حد تک معقول سمجھا اور ان کے نظریہ کو پسند کیا۔ کیوں کہ ان کی کوشش یہ ہے کہ اختلاف کم کیے جائیں۔ اور مسلمانوں کی صفوں کو منظم کیا جائے لہٰذا ان کے نظریوں کو ماننا چاہیے۔ اور ان کی نصیحتوں کو قبول کرنا چاہیے اور ان کا ممنون ہونا چاہیے۔ اس جگہ پر امیر المومنینؑ کا ارشاد یاد آتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"اور تم کو چاہیے کہ اپنے امور میں اس عمل کو زیادہ دوست رکھو کہ نہ حق سے غفلت ہو اور نہ اسے کنارے چھوڑا جائے، عدالت کی ہمہ گیری رکھتا ہو اور رعیت کو پسند آئے۔ چونکہ زیادہ افراد کی ناراضگی بعض کی خوشنودی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور اپنوں کی ناخوشی لوگوں کی خوشنودی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔"

لہٰذا میں اپنی کتاب "اہل بیتؑ حلال مشکلات" قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ وہ مسائل جو لوگوں کو مشتعل اور برانگیختہ کرتے ہیں ان سے پرہیز کروں تاکہ وہ حق سے دور نہ ہوں اور ان میں ہدایت کی تلاش کا جذبہ ختم نہ ہو۔ اگرچہ میں اس بات کا معتقد ہوں کہ جذبات کو برانگیختہ کرنے کی روش آزاد افراد کی نفسیات میں جوش و ولولہ پیدا کرتی ہے اسی لیے اپنی گزشتہ کتابوں میں، میں نے اس روش کا استعمال کیا ہے جس کا قیمتی و تعجب انگیز نتیجہ حاصل ہوا ہے۔

البتہ نرم اور مصلحت آمیز روش اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چونکہ اس سے بہت سے لوگ مطمئن اور راضی ہوں گے۔ اور بلاشبہ اس کا نتیجہ شیریں و لذت بخش ہوگا۔ چنانچہ ہم نے دونوں روشوں کا استعمال کیا اور قرآن کریم کی پیروی کی ہے اور یہ دونوں روشوں آرزو اور خوف، بہشت کی آرزو رکھنے والوں کو روانہ بہشت کرتی ہے اور خوف کھانے والوں کو جہنم سے نجات دیتی ہے۔ اور مجھے قطعی طمع نہیں ہے کہ پرہیزگاروں کے پیشوا، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کے اس عظیم مقام کو حاصل کرلوں کہ جو نہ جنت کی لالچ میں عبادت کرتے تھے اور نہ ہی جہنم کے خوف سے عبادت کرتے تھے اور اگر پردے اٹھ جاتے تو ان کے یقین میں اضافہ نہ ہوتا، لہٰذا میں پروردگار سے صمیم قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی رحمت کو ہمارے شامل حال کرے اور مجھے سچوں کے ساتھ ملحق کردے۔

محمد تیجانی سماوی

پیش لفظ

میں نے اپنی گزشتہ کتابوں میں کوشش کی کہ مسلمانوں کو ثقلین (قرآن و عترتؑ) کی طرف واپس لاؤں اور ان سے چاہا کہ گمراہی سے نجات اور ہدایت کی ضمانت کے لیے ان دونوں (قرآن و اہل بیتؑ) کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ جیسا کہ رسول خداؐ کی زبانی بیان ہوا ہے اور معتبر و مورد اعتماد راویوں نے اپنی صحاح و مسانید میں سنی و شیعہ دونوں ہی سے نقل کیا ہے۔

میں نے اس مطلب پر کافی بحث کی، حتیٰ کے بعض افراد یہ خیال کرنے لگے کہ ہماری اساس اصحاب کی تحقیر اور ان کی بے عدالتی کو ثابت کرنے میں منحصر ہے۔ لیکن خداوند عالم گواہ ہے کہ میری غرض صرف یہ تھی کہ پیغمبر اکرمؐ کی حرمت کا دفاع کروں اس لیے کہ آنحضرتؐ کے وجود ہی سے پورا اسلام سامنے آتا ہے۔ اسی طرح منزلت اہل بیتؑ کا بھی دفاع کرنا چاہتا تھا اس لیے کہ وہ بھی قرآن کے ہم پلہ و ہم رتبہ ہیں جس نے بھی ان کو پہچانا قرآن کو پہچانا اور جس نے بھی ان کو نظر انداز کیا اس نے قرآن کو نظر انداز کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے برابر اس کی گواہی دی اور اسی پر زور دیا ہے۔

ان شاء اللہ اس کتاب میں، میں ان مسلمانوں پر ثابت کروں گا۔ جو بیسویں صدی میں جی رہے ہیں، مختلف ناموں میں بٹے ہوئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ واقعی اسلام تک رسائی پیدا کریں اور اس پر عمل کریں، ان کے لیے اہل بیتؑ کی پیروی واجب ہے۔ وہ حقیقت جس سے یہ گریزاں ہیں، یہ ہے کہ قرآن و سنت دونوں ہی میں تاویل و تحریف کی گئی ہے۔ قرآن کو مختلف معنی میں

تاویل کیا گیا تا کہ اس کو شریعت کے حقیقی مقاصد سے دور کر دیں اور سنت میں جعلی احادیث داخل کر کے تحریف کر دی گئی۔ لہٰذا آج قرآن کی جو تفسیریں ہمارے پاس ہیں وہ اسرائیلیت یا بعض مفسروں کی ذاتی اجتہاد سے خالی نہیں ہیں جو اس بات کے معتقد ہیں کہ قرآن کی بعض آیتیں منسوخ ہوگئی ہیں۔ اسی طرح کتب احادیث اس درجہ جھوٹ اور تحریف کا شکار ہوئی ہیں کہ کسی پر بھی سو فیصد اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

یہی وہ مقام ہے۔ جہاں معصوم ائمہؑ اور رہبروں کی طرف رجوع کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ صرف وہ ہیں جو کتاب خدا کی تفسیر اور احکام خدا کو بیان کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور صرف وہی احادیث پیغمبر اکرمؐ کو تمام تبدیلیوں، تحریفوں اور شبہات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

اگر آج مسلمانوں کی آخری خواہش سلف صالح کی جانب واپسی ہے تا کہ ان دونوں تشریعی مآخذ کو ان سے حاصل کریں اور چونکہ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ (اہل بیتؑ) سب سے افضل ہیں، لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان سے پوچھیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم ان سے بیّن و واضح دلیل و برہان طلب کریں جو انسان کے لیے بہانہ کی راہ کو بند کر دیتی ہے، اسے قانع کر دیتی ہے اور قلب مطمئن ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ صرف حُسن ظن کافی نہیں ہے حتیٰ کہ استقامت اور نیک رویہ بھی فہم کے صحیح ہونے اور غلطی سے محفوظ رہنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

نبیؐ کے شہرِ علم کا در، جناب امیر المومنینؑ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لوگوں کے ہاتھ میں حق و باطل ہے۔ سچ و جھوٹ، ناسخ و منسوخ، عام اور خاص، محکم اور مُتشابہ ہے۔ جو چیز لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے، جس پر حدیث بیان کرنے والے نے گمان کیا ہے۔ اور رسول خداؐ

کے زمانے میں ہی جھوٹ باندھا، یہاں تک کہ آنحضرتؐ خطبہ دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا "جس نے بھی عمداً میری طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اس نے اپنے لیے جہنم میں جگہ تیار کرلی"۔

اور تمہارے لیے جو حدیث بیان کرتے ہیں وہ صرف اور صرف چار ہیں۔

(۱) دو چہرے رکھنے والا جو کہ اظہار ایمان کرے لیکن بظاہر مسلمان ہو، گناہ سے نہ ڈرے اور دل میں خوف نہ رکھتا ہو، عمداً رسول خداؐ پر جھوٹ باندھے اور خوف نہ کرے اور اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس کی (بیان کی ہوئی) حدیث کو قبول نہ کریں۔ اور اس کی باتوں کو سچ نہ سمجھیں۔ لیکن اگر رسول خداؐ کے دوستوں میں سے ہو تو اس کو دیکھنا اور سننا چاہیئے۔ اور اس کی باتوں کو محفوظ کرنا چاہیے۔ اس کے کہے ہوئے کو قبول کرنا چاہیے۔ خدا نے تم کو منافقوں کے متعلق بتایا ہے اور جس طرح ان کی قلعی کھلنی چاہیے خدا نے بیان فرما دیا ہے۔

یہ رسولؐ خدا اور (اہل بیتؑ) جن پر خدا کی رحمت ہو اپنی جگہ رہ گئے اور لوگ جھوٹ و تہمت کے ذریعہ گمراہوں کے سرغنہ اور جہنم کی طرف دعوت دینے والوں سے نزدیک ہوگئے۔ انہوں نے ان منافقوں کو عہدوں پر مامور کیا اور لوگوں کے امور کو ان کے حوالہ کر دیا۔ اور انہیں کے ہاتھوں دنیا کو ہتھیایا۔ اور لوگ تو وہاں جاتے ہیں جہاں بادشاہ اور دنیا رخ کرتی ہے۔ مگر یہ کہ خدا محفوظ رکھے۔ ان چار میں سے یہ ایک ہے۔

(۲) کچھ حدیث نقل کرنے والے ایسے ہیں جو حدیث کو رسول خداؐ سے سنتے ہیں لیکن جس توجہ سے سننا چاہیئے نہیں سنتے اور غلط بیان کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل عمداً نہیں ہوتا۔ جو حدیث اس کے پاس ہے اس کو بیان کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور کہتا ہے ہم نے اسے

رسول خداؐ سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو پتہ ہوتا کہ اس نے حدیث سننے میں غلطی کی ہے تو ہرگز اس کو قبول نہ کرتے اور اگر خود اسے معلوم ہوتا کہ یہ حدیث غلط ہے تو اس کو بیان کرنے سے گریز کرتا۔

(۳) اور تیسرا وہ ہے جس نے سنا کہ رسول خداؐ نے کسی چیز کا حکم فرمایا اور پھر اس کی نفی کر دی لیکن اس نفی کرنے کا علم اسے نہ ہوسکا یا حضرتؐ نے کسی چیز کی نفی کی اور بعد میں اس کا حکم فرمایا۔ لیکن وہ اس حکم سے بے خبر ہے۔ لہٰذا جو حکم ہوا اس کی تو اسے خبر ہے۔ لیکن اس کے منسوخ ہونے کی اسے خبر نہیں ہے چونکہ اگر اسے پتہ ہوتا کہ وہ روایت منسوخ ہوچکی ہے۔ تو وہ اسے ترک کر دیتا اور جس وقت مسلمانوں نے اس سے حدیث سنی اگر جانتے کہ منسوخ ہوچکی ہے تو اسے ترک کر دیتے۔

(۴) اور چوتھا شخص وہ ہے جو خدا اور رسولؐ کی طرف جھوٹی نسبت نہیں دیتا، خدا سے ڈرتا ہے اور رسول خداؐ کی حُرمت کا خیال رکھتا ہے غلطی کا بھی مُرتکب نہیں ہوتا۔ جو کچھ اسے یاد ہے وہی ہے جسے اس نے سنا ہے۔ اور جو کچھ سنا ہے بغیر کسی کمی اور اضافہ کے وہی روایت کرتا ہے پس ناسخ کو ذہن میں محفوظ کیا اور اس پر عمل کیا اور منسوخ بھی جو ذہن میں تھا اس سے پرہیز کیا۔ خاص و عام کو سمجھا، مُحکم و مُتشابہ کو پہچانا اور ہر ایک کو اسی جگہ پر قرار دیا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث رسولؐ کے دو طرح کے معنی ہوتے ہیں۔ ایک خاص گفتگو ہوتی ہے اور ایک عام گفتگو ہوتی ہے۔ ممکن ہے کوئی سننے کے بعد نہ سمجھ پائے کہ خدا اور رسولؐ اس سے کیا چاہتے ہیں؟ پس سننے والا تاویل کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کلام کو سمجھے یا اس کے مقصود کو جانے یا یہ نہ جانے کہ یہ کیوں بیان ہوئی ہے؟ رسول خداؐ کے تمام اصحاب تو اس طرح کے نہ تھے کہ آنحضرتؐ سے پوچھیں اور اس کے معنی کو معلوم کریں۔ بلکہ وہ تو منتظر رہتے تھے کہ کوئی صحرائی عرب پہنچے اور رسولؐ سے سوال کرے، اس

طرح انہیں بھی معلوم ہوجا [redacted]
نے (حدیث) کے معنی کو [redacted]
روایتوں میں اختلاف کا سب [redacted]
"(۲۱۵

امیر المومنین و سید الخطبا [redacted]
ماخذ تک پہنچنا اور شریعت کے [redacted]
اسلامؐ کی وفات کو ۲۵ سال سے [redacted]
زندہ تھے اور احادیث کی تصحیح او [redacted]
روایت کی کیفیت سے متعلق امام [redacted]
تو پھر آج چودہ صدیاں گزرنے [redacted]
اختلاف کی کیا صورت حال ہوگی [redacted]
ہے کہ کسی گروہ کی تائید یا رد کر [redacted]
لے۔ اور اگر میں نے اپنی گزشتہ [redacted]
اثنا عشری امامیہ شیعہ ہی کامیاب [redacted]
کو واضح کرتا ہے تو یہ وہ دوا نہ تھی [redacted]
صورتحال کی پیداوار ہو۔ بلکہ یہ [redacted]
ہے اور جسے جھوٹ اور تحریف سے [redacted]
کہ جسے خدا نے دلیل کو درک کر [redacted]
اس نے اس حقیقت کی طرف ہدای [redacted]

خداوند عالم فرماتا ہے:

اے پیغمبر میرے بندوں کو [redacted]
سنتے ہیں تو بہتر کی تلاش میں [redacted]
نے ہدایت کی ہے اور وہی [redacted]

1g (1600x2047x2 gif)

یہ ہے سچا دین

دو سال قبل سان فرانسسکو میں برادران اہلسنت کی مسجد میں، میری تقریر کا یہی عنوان تھا۔ اس روز جلسہ میں افریقہ کے متعدد ممالک نیز ترکی، افغانستان اور مصر کے باشندے شریک تھے۔ اس تقریر اور پھر آزاد بحث کے نتیجہ میں بہت سے حاضرین نے اپنی رضائیت کا اظہار کیا۔

ایک مصری طالب علم جس نے حال ہی میں اپنی ڈاکٹریٹ حاصل کی تھی مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کس بنا پر شیعوں کے دین کو حقیقی اسلام سمجھتے ہیں جبکہ شہرت اس کے برعکس ہے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے اہل سنت و الجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قرآن و سنت سے متمسک ہیں اور دیگر فرقے گمراہ ہیں؟

میں نے بہت ضبط و حوصلہ اور نرمی سے حاضرین کو مخاطب کر کے اس کا جواب دیا:

میرے بھائیو! میں حق کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھا کر کہتا ہوں اگر مجھے کوئی ایسا اہل سنت فرقہ مل جائے جو حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب مذہب کا پیرو ہو تو میں انہیں مبارکباد دوں گا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا شمار پیغمبر خداؐ کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فرقہ ملے جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب مذہب کی پیروی کرتا ہے تو میں انہیں مبارکباد پیش کروں گا۔ کیونکہ یہ دونوں اصحاب رسولؐ میں شمار ہوتے ہیں لیکن مجھے آج تک اہل سنت یا دیگر فرقوں میں کوئی ایسا گروہ نہیں ملا جو ان خلفاء یا کسی اور صحابی سے منسوب مذہب کی

پیروی کرتا ہو۔ صرف ایک شیعہ فرقہ ہے جو علی ابن ابی طالبؑ سے منسوب مذہب کی پیروی کرتا ہے۔ یہ لوگ شیعہ امامیہ ہیں ان کے مقابل کوئی ابوحنیفہ کی تقلید کرتا ہے تو کوئی شافعی اور احمد بن حنبل کی یہ حضرات عظیم دانشور ہونے کے باوجود صحابی نہیں ہیں۔ انہوں نے رسول اکرمؐ کو ایک دن کے لیے بھی درک نہیں کیا اور نہ ان کے ہمنشین رہے ہیں۔ یہ حضرات تاریخ کے ایک عظیم فتنہ کے بعد معرض وجود میں آئے ہیں اور بلاشک وشبہ اس فتنہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ (۱)۔

ہم اگر علی بن ابی طالبؑ کو تمام فضیلتوں سے الگ کر دیں تو ان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آپ سب سے پہلے مسلمان اور مومن تھے اور آپ نے اپنی ساری زندگی رسول خداؐ کی رفاقت اور ان کے دین کی خدمت میں گزار دی۔ میں آپ سے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں تعصب اور جذبات سے کنارہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنی عقل کو حاکم بنائیں اور فقط خدا کی مرضی کو مدنظر رکھیں اس کے بعد اپنے ضمیر سے پوچھیں اور مجھے بتائیں کہ پیروی اور اتباع کا کون مستحق ہے؟ حاضرین میں سے سینکڑوں آوازیں بلند ہوئیں کہ علیؑ پیروی اور اتباع کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس کے بعد میں نے حاضرین کو رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں سنائیں جو اہل سنت والجماعت کی معتبر ترین کتب (صحاح و مسانید حدیث) میں منقول ہیں۔ یہ حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ (۲)

۲۔ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ جہاں علیؑ ہوں گے، حق بھی ان کے ساتھ ہوگا۔ (۳)

۳۔ جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔ (۴)

۴۔ میری نسبت علیؑ سے ایسی ہے جیسے ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ (۵)

۵۔ میرے بعد علیؑ میری امت کے اختلافات کو حل کرنے والے ہوں گے۔

۶۔ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آجائیں۔ (۶)

اگر مسلمان ان حقائق کو سمجھ لیں اور ان کی عقلیں صرف اور صرف حضرت علیؑ کے صحابیٔ پیغمبرؐ ہونے کی وجہ سے ان کی پیروی کی دعوت دیں تو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو شیعہ امامیہ کا دین ہے۔ انہی رافضیوں کا اسلام جنہوں نے علیؑ کے علاوہ کسی اور کی پیروی کو رفض (ناپسند) کیا ہے۔

آخر کار جلسہ میں بہت گفتگو اور بحث کے بعد جو کہ بڑے صبر و حوصلہ و آرام سے انجام پائی، حاضرین میں سے بہت سے لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے مبارکباد دی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھ سے درخواست کی کہ اپنی کتابیں انہیں پیش کروں اور شیعوں کی کتابوں کے بارے میں انہیں معلومات فراہم کروں۔

اس گروہ میں ایک فرد اسی مسجد کے امام جماعت بھی تھے جب میں مصائب اہل بیتؑ پڑھ رہا تھا تو وہ گریہ کر رہے تھے۔ انہوں نے مصر سے Ph.D کی ہے۔ وہ محبّ اہل بیتؑ ہیں انہوں نے مجھ سے کہا: مبارک ہو اے بھائی! مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنی آسانی سے ہمیں مطمئن اور قانع کر لو گے مجھے بعض متعصبین سے جو تم سے جلتے ہیں خوف محسوس ہو رہا تھا، لیکن خدا کی قسم تم نے اپنی سچی باتوں سے ان کے دل جیت لیے۔

راہ پیغمبرؐ کو جاری رکھنے والے

اہل بیتؑ سے ہماری مراد پیغمبرؐ کی عترت میں بارہ امام علیہم السلام ہیں۔ ہم نے گزشتہ کتابوں میں اس سلسلے میں جو گفتگو کی ہے۔ شیعوں اور اہل سنت کا اتفاق ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

میرے بعد ائمہؑ بارہ افراد ہوں گے اور یہ سب کے سب قریش سے ہوں گے (۷)

آپؐ نے مزید فرمایا۔ یہ امر (امامت) قریش ہی میں رہے گا خواہ قریش میں صرف دو ہی آدمی کیوں نہ بچے ہوں۔ (۸)

اور چونکہ ہم بھی جانتے ہیں کہ خدا نے آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و خاندان عمران کو دنیا کے تمام لوگوں میں منتخب کیا ہے۔ پس پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا نے ان تمام لوگوں پر بنی ہاشم کو منتخب کیا ہے اور یہ لوگ تمام برگزیدہ افراد پر فضیلت رکھتے ہیں۔

صحیح مسلم کے باب فضائل میں (دیگر لوگوں پر فضیلت پیغمبر اکرمؐ) کے باب میں آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ

خدا نے کنانہ کو فرزندان اسماعیلؑ سے منتخب کیا اور قریش کو کنانہ سے۔ اور بنی ہاشم کو قریش سے اور مجھے بنی ہاشم سے۔ (۹)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ خدا نے بنی ہاشم کو تمام مخلوق پر فوقیت اور فضیلت دی ہے اور بنی ہاشم پر رسول اکرمؐ کو فوقیت و فضیلت دی ہے۔ لہٰذا بنی ہاشم کا رتبہ آپ کے بعد ہے۔ اور رسول اکرمؐ نے تمام بنی ہاشم میں علیؑ اور ان کی

اولاد کو منتخب کیا اور خدا کے حکم سے انہیں اپنا جانشین بنایا ہے۔ جس طرح سے خود آپؐ پر درود و سلام بھیجنا واجب تھا، اسی طرح آپ نے علیؑ اور اولاد علیؑ پر درود و سلام بھیجنا واجب قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے اکثر مفسرین نے علیؑ و آل علیؑ کو آیۂ تطہیر کا مصداق بتایا ہے۔ صرف آیۂ تطہیر ہی نہیں بلکہ آیت مودت، آیت ولایت اور آیت اصطفاء کا مصداق بھی اہل بیتؑ ہی ہیں۔ کتاب کے وارث، اہل ذکر، راسخون فی العلم اور سورہ ہل اتی سے مراد بھی اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں۔

رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں جن کی صحت پر تمام علماء فریقین کو اتفاق ہے، بہت زیادہ ہیں ان حدیثوں میں رسول اکرمؐ نے اہل بیت علیہم السلام کی فضیلتوں کو بیان کیا ہے اور انہیں ہدایت دینے والے رہبر بتایا ہے۔ چونکہ یہ حدیثیں بہت زیادہ ہیں لہٰذا ہم صرف دو حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ مسلم نے اپنی صحیح میں باب فضائل علی ابن ابی طالبؑ میں نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

> اے لوگو! میں بھی ایک بشر ہوں، ممکن ہے جلد ہی خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ آ جائے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہہ دوں۔ آگاہ ہو جاؤ! میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ کتاب خدا کو مضبوطی سے تھام لو۔ دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو بھلا نہ دینا۔ تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو بھلا نہ دینا۔ تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو یاد رکھنا۔ (۱۰) (صحیح مسلم ج ۴، ص ۱۸۷۳، ح ۲۴۰۸)

۲۔ مسلم نے اپنی صحیح میں سعد بن ابی وقاص سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"اے علیؑ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ (۱۱)"

ہم اختصار کی بنا پر ان ہی دو حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان حدیثوں سے واضح اور ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ عترت پیغمبرؐ کے بزرگ تھے اور آپ ہی نے رسولؐ خدا کی حفاظت کی اور ان کے راستہ کو جاری رکھا۔ رسول اکرمؐ نے اسی بات پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے:

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

کیا یہی حدیث کافی نہیں ہے اس بات پر کہ امت علیؑ کے بغیر "شہر پیغمبر" میں داخل نہیں ہو سکتی۔ ان دو بزرگوں پر خدا کا درود و سلام ہو خدا نے گھر میں صرف دروازہ سے داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت علیؑ نے صرف رسولؐ خدا سے علم حاصل کیا ہے آپ بچپن ہی سے رسول خداؐ کی تربیت میں رہے اور ہمیشہ رسول اکرمؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے گزشتہ اور آئندہ کا علم آپؑ کو عطا کیا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

"جبرئیل نے مجھے کوئی ایسی چیز نہیں دی جو میں نے علی ابن ابی طالبؑ کو نہ سکھائی ہو"۔

اس بارے میں خود حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر مسند قضاوت بچھا دی جائے تو میں اہل توریت کے لیے توریت سے اور اہل انجیل کے لیے ان کی انجیل سے اور اہل قرآن کے لیے قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ (۱۲)"

آپؑ مزید فرماتے ہیں: "سلونی قبل ان تفقدونی"

"مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں۔ (۱۳)"

تاریخ اسلام میں تمام مسلمان اور اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ دین و دنیا کے سب سے بڑے عالم علیؑ ہیں۔ آپؑ دنیا کے پارسا ترین اور زاہد ترین فرد تھے آپؑ نے ہر طرح کی مصیبت اور سختیوں میں صبر کے اعلیٰ ترین مدارج کا مظاہرہ کیا اور جنگوں میں آپؑ کی شجاعت کی برابری کون کر سکتا ہے؟

اسی طرح خطا کاروں کو معاف کرنے اور عفو و بخشش کا مظاہرہ کرنے میں بھی آپ کا ثانی نہیں ہے۔

ان مطالب کو کامل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ اور اہل بیتؑ کے درمیان رشتہ اور ربط کے بارے میں آپ کے ارشادات پر توجہ کی جائے۔

☆ اسرار پیغمبرؐ ان (اہل بیتؑ) کے حوالہ کیا گیا ہے جو بھی ان کی پناہ میں آئے اس نے راہ حق اختیار کی ہے، (وہ علم رسولؐ کے مخزن ہیں اور ان کی شریعت کے احکام کو بیان کرتے ہیں۔ قرآن و سنت ان کے یہاں محفوظ ہیں، وہ پھیلے ہوئے پہاڑ کی طرح دین کے پاسبان ہیں۔ انہیں کے ذریعہ اس کی پشت مضبوط ہے اور اس کے پہلو کی کپکپی دور ہوئی ہے۔

(نہج البلاغہ/ خطبہ ۲)

☆ خدا کی قسم ہمیں پیغاموں کے پہنچانے، وعدوں کو پورا کرنے، امر و نہی کو بیان کرنے کا پورا علم ہے اور ہم اہل بیتؑ پر ہی علم و حکمت الٰہی کے دروازے کھلے ہیں۔ (نہج البلاغہ/ خطبہ ۱۲۰)

☆ کہاں ہیں وہ لوگ جو جھوٹ بولتے ہوئے اور ہم پر ستم روا رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ "راسخون فی العلم" ہیں نہ کہ ہم۔ خدا نے اس کے عوض ہمیں بلندی دی اور انہیں پستی میں ڈال دیا۔ ہمیں عطا کیا اور انہیں محروم کیا۔ ہمیں اپنی عنایت کے دائرہ میں رکھا اور انہیں باہر کر دیا۔ ہم ہی سے طلب ہدایت اور گمراہی کی تاریکیوں کو

چھانٹنے کی خواہش کی جا سکتی ہے۔ بلا شبہ ائمہؑ قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کے کشت زار سے ابھرے ہیں۔ نہ امامت کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ بنی ہاشم کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہو سکتا۔ (نہج البلاغہ/ خطبہ ۱۴۴)

☆ بلاشبہ، آل محمدؐ کی مثال آسمان کے ستاروں کے مانند ہے۔ اس لیے اگر ایک ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا ستارہ ظاہر ہو جاتا ہے گویا تمہارے حق میں خدا نے خیر و برکت کو کمال کی حد تک پہنچایا ہے اور جو کچھ تم آرزو کرتے ہو (خدا نے) تمہیں بخشا ہے۔ (نہج البلاغہ/ خطبہ ۱۰۰)

☆ اس امت میں کسی کو بھی آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آ کر ملنا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لیے ہیں انہی کے بارے میں پیغمبرؐ کی وصیت اور انہی کے لیے نبیؐ کی وراثت ہے۔ اب حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔

(نہج البلاغہ/ خطبہ ۲)

☆ اور (میں اپنے نبیؐ کے طریقے اور) شاہراہ حق پر گامزن ہوں اور اسے باطل کے راستوں سے جدا کرتا رہتا ہوں۔ اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ کو دیکھو! ان کی سیرت پر چلو ان کے نقش قدم کی پیروی کرو۔ وہ تمہیں ہدایت و فلاح سے باہر نہیں ہونے دیں گے اور نہ گمراہی و ہلاکت کی طرف پلٹائیں گے۔ اگر وہ کہیں ٹھہریں تو تم بھی ٹھہر جاؤ اور اگر وہ اٹھیں تو تم بھی اٹھ کھڑے ہو۔ ان سے آگے نہ بڑھ جاؤ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور نہ (انہیں چھوڑ کر) پیچھے رہ جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ

گے۔ (نہج البلاغہ/ خطبہ ۹۷)۔

☆ وہ علم کے لیے باعث حیات اور جہالت کے لیے سبب مرگ ہیں۔ ان کا حلم ان کے علم کا، ان کا ظاہر ان کے باطن کا اور ان کی خاموشی ان کے کلام کی حکمتوں کا پتہ دیتی ہے۔ وہ نہ حق کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور نہ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ اسلام کے ستون اور بچاؤ کا ٹھکانہ ہیں۔ ان کی وجہ سے حق اپنے اصلی مقام پر پلٹ آیا اور باطل اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور اس کی زبان جڑ سے کٹ گئی۔ انہوں نے دین کو سمجھ کر اور حاصل کر کے اس پر عمل کیا ہے نہ یہ کہ صرف سنا اور لوگوں سے بیان کر دیا ہو۔ یوں تو علم کے راوی بہت ہیں مگر اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی نگہبانی کرنے والے کم ہیں۔ (نہج البلاغہ/ خطبہ ۲۳۹)

ہاں! یہ نہج البلاغہ کے کچھ گوشے ہیں جنہیں میں نے امام علیؑ کی زبان سے نقل کیا ہے یہ کلام پیغمبرؐ اور آل پیغمبرؐ کے درمیان حقیقی رابطہ کی شکل کو بیان کرتا ہے نیز اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ صرف اہل بیتؑ ہی مختلف زمانوں اور صدیوں میں پوری بشریت کے اختلاف فکر و ذوق کے باوجود، آنحضرتؐ کی راہ پر چلانے والے اور ان کے دین کی تبلیغ کرنے والے ہیں۔

امامؑ، مسلمانوں کے نزدیک عترت طاہرہؑ کی منزلت کی وضاحت پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ خود عترت طاہرہؑ کے محور و سردار ہیں اور پھر اپنی اس اہم ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے خدا و رسولؐ نے آپ کے سپرد کیا ہے کہ آپ اسے لوگوں کے درمیان نبھائیں اور اسے ترک نہ کریں۔

آپ فرماتے ہیں:

تو تم کہاں جا رہے ہو اور تمہیں کدھر موڑا جا رہا ہے حالانکہ ہدایت کے جھنڈے اور بلند نشانات ظاہر و روشن ہیں اور حق کے مینار نصب ہیں

اور تمہیں کہاں بہکایا جا رہا ہے اور کیوں اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہو جبکہ تمہارے نبیؐ کی عترت تمہارے درمیان موجود ہے جو حق کی باگیں، دین کے پرچم اور سچائی کی زبانیں ہیں۔ ذکر خیر اور صدق گفتار سے ہم آہنگ ہیں لہذا انہیں بھی قرآن کے مانند محترم جانو! اور پیاسے اونٹوں کی طرح ان کے سرچشمۂ ہدایت پر اترو۔

☆ اے لوگو! خاتم النبیین کے اس ارشاد کو سنو کہ (انہوں نے فرمایا) ہم میں سے جو مرجاتا ہے وہ مُردہ نہیں ہے۔ اور ہم میں سے (جو بظاہر مر کر) بوسیدہ ہوجاتا ہے وہ حقیقت میں بوسیدہ نہیں ہے۔ جو باتیں تم نہیں جانتے ان کے متعلق زبان سے کچھ نہ نکالو اس لئے کہ حق کا بیشتر حصہ انہیں چیزوں میں ہوتا ہے جن سے تم بیگانہ اور نا آشنا ہو۔ (جس شخص کی تم پر حجت تمام ہو) اور تمہاری کوئی حجت اس پر تمام نہ ہو۔ وہ میں ہوں۔ کیا میں نے تمہارے سامنے ثقل اکبر (قرآن) پر عمل نہیں کیا اور ثقل اصغر (اہل بیتؑ) کو تم میں نہیں رکھا (چھوڑا)۔ میں نے تمہارے درمیان ایمان کا جھنڈا گاڑا۔ حلال و حرام کی حدیں بتائیں اور اپنے عدل سے تمہیں عافیت کے جامے پہنائے۔ اور قول و عمل سے حسن سلوک کا فرش تمہارے لیے بچھا دیا اور تم سے ہمیشہ پاکیزہ اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔

جس چیز کی گہرائیوں تک نگاہ نہ پہنچ سکے اور فکر کی جولانیاں عاجز رہیں۔ اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دو۔ (نہج البلاغہ/ ۸۷)۔

محترم قارئین! اگر امام علیؑ کے کلام پر توجہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ وہ خود حدیث ثقلین کی تفسیر ہیں۔ وہی حدیث جسے اہل سنت حضرات نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب خدا اور اپنی عترت اگر ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

(١٥٦

پیغمبرؑ نے تمہارے درمیان وہی چیزیں چھوڑی ہیں جو گزشتہ انبیاء اپنی اُمتوں کے درمیان چھوڑا کرتے تھے اس لیے کہ وہ لوگوں کو راہِ روشن اور نشان محکم قائم کیے بغیر یوں ہی بے قید و بند انہیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبرؑ نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے اس حالت میں کہ انہوں نے کتاب کے حلال و حرام واجبات و مستحبات، ناسخ و منسوخ، رخص و عزائم، خاص و عام، عبر و امثال، مطلق و مقید، محکم و متشابہ کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی اس کی گتھیوں کو سلجھا دیا۔ اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں جن کا جاننا واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے واقف نہ رہیں تو مضائقہ نہیں ہے۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا واجب ہونا ثابت ہے لیکن حدیث میں اس کو منسوخ کیا گیا ہے۔ کچھ مطالب ایسے ہیں جن کا وجوب سنت میں واجب ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں ان کا وجوب برطرف ہو جاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے کچھ کبیرہ ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کی توقعات پیدا کی گئی ہیں کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ (نہج البلاغہ/ خطبہ ۱)

دین سے لگاؤ ماضی و حال میں

ظاہری بات ہے کہ دین اسلام جسے پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لائے آخری دین و شریعت ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

"ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیّن" (احزاب/۴۰)

محمدؐ تم میں سے کسی شخص کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔

جب حضرت محمدؐ آخری پیغمبر اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے۔ تو پھر آپ کے بعد نہ کوئی پیغمبر ہے اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب الٰہی ہے۔ دین اسلام، دین خالص ہے جس میں تمام گزشتہ دین و آئین جذب ہو گئے ہیں۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وہ ہے جس نے اپنے پیغمبرؐ کو ہدایت اور دین حق پر بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے اور خدا شاہد و گواہ کے عنوان سے کافی ہے۔

لہٰذا رسول اکرمؐ کی بعثت کے بعد سارے انسانوں پر واجب اور لازم ہے کہ گزشتہ ادیان جیسے یہودیت، عیسائیت سے دست بردار ہو جائیں اور اسلام اختیار کر لیں۔ شریعت محمدیؐ کی رو سے خدا کی عبادت کریں کیونکہ خدا اس دین کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کرے گا۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

"جو خدا کے دین کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

میں سے ہوگا۔ (آل عمران/ ۸۵)

اس آیت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہود و نصاریٰ لاکھ دعویٰ کریں کہ ہماری شریعتیں صحیح ہیں اور ہم حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن انہیں دراصل رسول اکرمؐ کی پیروی کرنی ہوگی۔ کسی یہودی و عیسائی کا اپنے دین پر باقی رہنے کا دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ حضرت محمدؐ تمام عالم بشریت کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں اور آپؐ سارے عالم کے لیے رحمت ہیں اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ گزشتہ آسمانی شریعتیں بالکل بے اہمیت ہیں۔ خدا کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کے بندوں نے شریعتوں کو تحریف کیا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر ڈالا۔ وہ گمراہ ہوگئے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ایسے میں رسول اکرمؐ کی بعثت سارے عالم کے لیے رحمت ہے تاکہ سب حق کو حاصل کریں اور جنت کے مستحق ہوجائیں۔

لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ حق سے کتراتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات و گمراہی میں گرفتار ہیں۔ خدا ایسے افراد کے بارے میں فرماتا ہے:

> اہل کتاب اور مشرکوں سے جو لوگ کافر تھے جب تک ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل نہ پہنچے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہ تھے۔ خدا کی طرف سے رسولؐ بھیجے گئے تاکہ انہیں پاک آسمانی کتابیں پڑھ کر سنائیں، اس کتاب میں پُرزور اور درست باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اہل کتاب پیغمبر کے بارے میں اس وقت متفرق (اختلاف سے دوچار) ہوئے جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل آچکی تھی۔ (بینہ/ ۴۔۱)۔

کسی یہودی یا عیسائی کے لیے یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں محمدؐ پر ایمان رکھتا ہوں لیکن اپنے دین پر باقی ہوں جیسا کہ بہت سی عیسائی عرب راہبوں سے میں نے سنا ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ خدا کو یہ بات ہرگز قبول نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ

رسول اکرمؐ کی کامل طور سے پیروی کریں۔ اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

> جو لوگ ہمارے پیغمبر اُمّی کے قدم بقدم چلتے ہیں جس کی بشارت کو اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ نبی جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال اور ناپاک اور گندی چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے۔ اور وہ سخت احکام اور رنج و مشقت کا بوجھ جو زنجیر کی مانند ان کی گردن پر تھا ان سے ہٹا دیتا ہے۔ پس یاد رکھو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے، اس کی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (قرآن) کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنی دلی مرادیں پائیں گے۔ (اعراف/ ۱۵۷)۔

خدا کی یہ دعوت نہ صرف یہود و نصاریٰ، بلکہ ساری انسانیت کو شامل ہے اس میں کسی طرح کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

خدا ارشاد فرماتا ہے:

> اے رسولؐ تم کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کے پاس اس خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کے پاس سارے آسمان و زمین کی بادشاہت (حکومت) ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے وہی مار ڈالتا ہے پس لوگو! خدا اور اس کے رسول، نبی آمی پر ایمان لاؤ جو خود بھی خدا اور اس کی باتوں پر (دل) سے ایمان رکھتا ہے اور اسی کے قدم بقدم چلو تاکہ ہدایت پاؤ۔

قرآن صراحت کے ساتھ اعلان کر رہا ہے کہ صرف رسول اکرمؐ کی نبوت کا معتقد ہونا کافی نہیں ہے بلکہ آپ کی تعلیمات پر عمل بھی ضروری ہے۔ اور پیغمبروں کو بھیجنے کی حکمت و مصلحت بھی یہی ہے۔ لہٰذا تاریخ ہمیں کہیں بھی یہ نہیں دکھاتی کہ دنیا کے کسی پیغمبر نے اپنی امت سے یہ کہا ہو کہ مجھ سے پہلے جو

تمہارا دین تھا اس پر باقی رہو۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ پیغمبرانؑ خدا اپنے سے سابق پیغمبروں پر ایمان اور ان کی تصدیق کو لازم جانتے تھے تا کہ کوئی اُن کی نبوّت پر اعتراض اور خدشہ نہ کر سکے اور عوام جہالت کی بنا پر انہیں خدا نہ مان بیٹھیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

> پیغمبر (محمدؐ) اور مومنین جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے، سب کے سب خدا، اسکے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں یا نبیوں پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے پیغمبروںؑ میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرا ارشاد سنا اور مان لیا۔ پروردگار! ہمیں تیری ہی مغفرت کی خواہش ہے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
>
> (بقرہ/ ۲۸۵)

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام، مومن بندوں کے لیے خدا کا آخری تحفہ ہے۔ اور اس کے احکام وقوانین اہم اور ہر زمان و مکان سے سازگار ہیں۔ یہ قیامت تک کے لیے ہیں کیونکہ رسول اکرمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آنے والی ہے۔ خدا اس سلسلہ میں ارشاد فرما رہا ہے:

> میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے دین کو اسلام کے عنوان سے پسند کر لیا۔ (مائدہ/ ۳)

آج کل مسلمانوں کا ایک طبقہ اسلام اور دینی احکام کا پابند نہیں ہے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کو عملی طور پر لاگو نہیں کیا جا سکتا اور عوام کی کثرت اسلامی احکام کو عملی طور پر اپنانے سے قاصر ہے۔ حتیٰ کے بعض روشن خیال دانشور یہ کہتے ہیں کہ زمان و مکان کے تقاضے کے مطابق اسلام میں رد و بدل ہونا چاہیئے اور

تمام موارد میں اجتہاد ہونا چاہیئے۔

روشن خیال اور تمدن مآب افراد ممکن ہے بہت سے جوانوں کی گمراہی کا سبب بن جائیں کیونکہ یہ افراد اسلامی دوستی کا بہت زیادہ دکھاوا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے زیادہ انہیں اسلامی احکام کو لاگو کرنے کی فکر ہے۔ وہ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ پندرہ صدیوں سے ان کے دین میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ آج زمانہ کتنا بدل چکا ہے جب دین آیا تھا تو آمد و رفت اور ٹرانسپورٹیشن کے ذرائع حیوانات ہوا کرتے تھے اور آج کا زمانہ راکٹوں کا زمانہ ہے جنکی رفتار آواز کی رفتار سے بھی زیادہ ہے۔ آج کا زمانہ ٹیلی فون، فیکس اور کمپیوٹر کا زمانہ ہے آج چند سیکنڈ میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم قرآن کو اسی سطحی انداز سے نہیں لے سکتے۔ مثلاً آج کل چور کا ہاتھ کاٹنا یا قاتل کا سر تلوار سے اڑانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اس سلسلہ میں یہ لوگ عجیب و غریب فلسفہ پیش کرتے ہیں۔

میں بھول نہیں سکتا کہ ایک روز یونیورسٹی کے ایک استاد جو روشن خیال بھی تھے سے گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے درمیان ہم نے ان سے کہا: آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

> علیؑ کے جیسا جواں مرد اور ذوالفقار کے جیسی تلوار نہیں ہے
>
> (مناقب خوارزمی ۱۰۱)۔

وہ مجھ پر بہت ہنسے اور کہنے لگے ڈاکٹر! اس طرح کی باتیں پھر نہ کہنا! یہ کلام رسولؐ کے زمانہ میں بامعنی تھا۔ جب دشمن پر غالب آنے میں تلوار کا اہم کردار ہوا کرتا تھا اور یہ واحد ہتھیار تھا کہ جس پر بہادر رجز، شعر اور قصیدہ کہتے تھے۔ لیکن آج ہم مشین گن کے زمانہ میں ہیں جس سے ایک سیکنڈ میں ۷۰ گولیاں نکلتی ہیں۔ آج جیٹ لڑاکا جہازوں کا زمانہ ہے جو چند سیکنڈوں میں ایک بڑے شہر کو نابود کر دیتے ہیں۔ بلکہ ہم ایٹم بم اور جدید ہتھیاروں کے زمانہ میں

ہیں جو چند لمحوں میں ایک براعظم کو پوری طرح نابود کرسکتے ہیں۔ اور آپ ان سب سے بے خبر ہیں اور ابھی علی بن ابی طالبؑ کی شجاعت و بہادری کی تعریف کررہے ہیں۔

ہم نے کہا: ہاں! البتہ جو باتیں آپ نے کہی ہیں یہ ان کی مخالف بھی نہیں ہے اور ہر جگہ کے لیے ایک بات موجود ہے۔ کیا آپ نے خداوند عالم کا وہ کلام نہیں دیکھا جہاں پر اس نے مقابلہ کرنے والے اسلحوں کا جدا جدا تذکرہ کرنے کے بجائے سبھی کو ایک کلمہ میں بیان فرمایا ہے:

"واعدوا لهم ما استطعتم من قوة" (انفال/۶۰)

اور ان سے (مقابلہ) کے لیے جس قدر بھی قوت اکٹھا کرسکتے ہو کرو۔

ہر شخص اپنے زمانہ کی زبان میں مصدر قوت کی تعریف کرتا ہے۔ چاہے سب کے لیے ایک ہی معنی ہاتھ آئے یعنی اسلحہ۔ چنانچہ پروردگار عالم فرماتا ہے:

(وانزلنا الحديد فيه باس شديد) (حدید/۲۵)

ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں سختی، جنگ (میں کام آنے کی صلاحیت) اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں۔

لہٰذا تمام اسلحے چاہے وہ ابتدائی ہوں جیسے تلوار و نیزہ یا جدید ہوں جیسے بم، مشین گن، ٹینک...... ان سبھی کو کلمہ ("باس شدید") اپنے اندر شامل کرلیتا ہے اور دوسری طرف تمام راحت و آرام کے وسائل مثلاً گاڑیاں، ہوائی جہاز، کشتی، ٹیلی ویژن وغیرہ کو "منافع للناس" اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ کتنا پاکیزہ ہے وہ پروردگار جس نے لوہے کو خلق کیا اور اسے لوگوں کے حوالہ کیا اور جو باتیں وہ نہیں جانتے تھے تعلیم فرمائیں۔

اس طرح قرآن تک سبھی کی دسترس ہے اور ہر نسل اپنی زبان میں اسے سمجھتی اور محسوس کرتی ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ قرآن کو سطحی اور ظاہری طور پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ اور چور کے ہاتھ کاٹنا یا قاتل کا سر قلم کرنا۔ ان سے اگر آپ کی

مراد یہ ہے کہ احکام الٰہی میں بشری تقاضوں کے تحت تبدیلی ہونی چاہیئے اور آپ کے خیال میں یہ احکام بندگان خدا کے لیے مناسب نہیں ہیں اور مہربانی و نرمی سے دور ہیں تو اس کلام کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ یہ سوفیصدی کفر ہے۔

لیکن اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ترقی کرنی چاہیے اور مجرموں کو سزا دینے اور پھانسی دینے کے وسائل کو جدید بنانا چاہیئے تو یہ بحث کا مقام ہے کیونکہ یہ چیزیں امور ثانوی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اسلامی شریعت نے اس پر سختی نہیں کی ہے گرچہ قصاص میں حدود الٰہی کے اجرا کے سلسلہ میں سختی کی ہے۔ اور خداوند عالم نے فرمایا ہے:

اے مومنین! تم پر قصاص واجب کیا گیا ہے۔ اے عقل رکھنے والو! قصاص میں زندگی ہے۔ تاکہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔ (بقرہ/۱۷۹-۱۷۸)

اب یہ کہ چور کا ہاتھ تلوار سے یا چاپڑ سے یا پھر کسی جدید وسیلہ سے کاٹنا چاہیے اس کی بازگشت حاکم شرع یا مرجع تقلید کی طرف ہے کہ وہ اجتہاد کرے اور اپنا نظریہ دے۔

استاد محترم! اہم یہ ہے کہ الٰہی احکام کو یورپی حکومتوں کے ہاتھوں وضع کیے گئے احکام کے ساتھ تبدیل نہ کریں۔ اور کیا خود یورپیوں نے مجرم کے لیے پھانسی کی سزا کو ختم نہیں کردیا ہے چاہے اس کا جرم کتنا بڑا کیوں نہ ہو؟ اس طرح اس کام کے ذریعہ حکم خدا کو ترک کرتے ہوئے قصاص کو ختم کردیا ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو امن و امان کا زندگی سے خاتمہ ہوجائے گا۔ مجرم فساد و تباہی پھیلائیں گے اور انسانوں کو نابود کرڈالیں گے اور زندگی ایک ایسے جہنم میں تبدیل ہوجائے گی کہ اس میں کوئی خیر نہ ہوگا۔

استاد کہنے لگے: شر کا علاج شر سے نہیں کیا جاسکتا اور اعداد و شمار سے پتہ

چلتا ہے کہ بہت سے موت کی سزا پانے والے بے گناہ تھے۔

میں نے کہا: معذرت چاہتا ہوں آپ کی باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ خود کو پروردگار عالم سے زیادہ عقل وفہم رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات غلط ہے۔ اور یہ کہ اکثر موت کی سزا پانے والے بے گناہ تھے یہ ایک دوسری بات ہے۔ البتہ یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ اسلام صرف تہمت یا الزام کی بنیاد پر سزا نہیں دیتا بلکہ سزا کے لیے اقرار، اعتراف، گواہ و شاہد وغیرہ ضروری ہے۔ بہرحال ہماری یہ گفتگو کسی نتیجہ پر نہ پہنچی اس لیے کہ ہر ایک اپنی بات پر جما ہوا تھا۔

کتنا بہتر ہوگا کہ ہم اپنی گفتگو آنحضرتؐ کے متعلق حضرت امیر المومنینؑ کے کلام سے تمام کردیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> اللہ نے اپنے رسول کو چمکتے ہوئے نور روشن دلیل کھلی ہوئی راہ شریعت اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا۔ ان کا قوم وقبیلہ بہترین قوم وقبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے۔ جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے جہاں سے آپ کے نام کا بول بالا ہوا اور آپ کا آوازہ (چارسو) پھیلا۔ اللہ نے آپ کو مکمل دلیل شفا بخش نصیحت اور (پہلی جہالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دے کر بھیجا اور ان کے ذریعہ سے (شریعت کی) نامعلوم راہیں آشکار کیں۔ اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا (قرآن وسنت میں) بیان کیے ہوئے احکام واضح کیے تو اب جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو اس کی بدبختی مسلم، اس کا شیرازہ درہم برہم اور اس کا منہ کے بل گرنا سخت و (ناگزیر) اور انجام طویل حزن اور مہلک عذاب ہے۔ (نہج البلاغۃ/عربی ۱۶۱۔ اردو ۱۶۰)

ٹھیک یہی قرآن کریم کی عبارت ہے جو فرماتا ہے:

> جو بھی اپنے لیے اسلام کے علاوہ اور کوئی دین اختیار کرے تو اس سے

> ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا ......(آل عمران/۸۵)

میرے خیال میں اس بیان کے بعد اب اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ چاپلوسی کرتے ہوئے اپنے یہودی و مسیحی دوستوں سے کہیں کہ چونکہ ہم بھی ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم بھی حق پر ہیں اس لیے کہ جس خدا نے موسیٰ و عیسیٰ کو مبعوث فرمایا اسی خدا نے محمدؐ کو بھی مبعوث فرمایا اور اگر ہم پیغمبروں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو کیا ہوا، جس خدا نے ان کو مبعوث فرمایا اس میں تو اختلاف نہیں رکھتے! جبکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

> (اے رسول) تم ان سے پوچھو کہ کیا تم ہم سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ (وہی) ہمارا بھی پروردگار ہے اور (وہی) تمہارا بھی پروردگار ہے۔ ہم اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو۔ اور ہم تو نرے کھرے اسی کے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے (اے رسول) ان سے پوچھو تو کہ تم زیادہ واقف ہو یا خدا اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی موجود ہو (کہ وہ یہودی نہ تھے) اور پھر وہ چھپائے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بےخبر نہیں ہے۔ (بقرہ/۱۴۰۔۱۳۹)۔

کیا اسلام پر عمل مشکل ہے؟

یہ وہ دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی بنیاد نہیں اور جو بھی اس طرح کا دعویٰ کرے وہ یا تو جاہل اور بے وقوف ہے یا اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے یا پھر اسلام کا دشمن ہے۔ اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کوشش میں ہے کہ لوگ اپنے دینی احکام سے دست بردار ہو جائیں۔

یا آخری صورت یہ ہے کہ وہ غلو کرنے والا دقیانوس ہے۔ جو ضدی فقہا کے علاوہ اور کسی کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا جنہوں نے لوگوں پر خدا کی پرستش کو حرام کر ڈالا اور خود کو لوگوں کے لیے خدا کا جانشین مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ اپنی عقل یا اپنی مخصوص روایتوں کے تحت حلال و حرام کرتے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں!

اس کے متعلق جو جملہ سب سے پہلے کہنا چاہیئے آنحضرتؐ کا کلام ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

> آسانی پیدا کرو اور لوگوں پر سختی نہ کرو۔ بشارت دو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو (۱۴)۔
>
> خود پر بھی سختی نہ کرو تا کہ خداوند عالم تم پر سختی نہ کرے۔ جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔ (۱۵)

اور اکثر اپنے اصحاب کے درمیان فرماتے تھے:

> میں نہ تمہارے لیے بدبختی اور بیچارگی چاہتا ہوں اور نہ ہی ذلت و رسوائی۔ بلکہ مجھے تو خدا نے آسانی چاہنے والے معلم کی صورت میں مبعوث فرمایا ہے (۱۶)۔

اور یہ مشہور ہے کہ آنحضرتؐ جب دو باتوں کے درمیان کوئی چیز اختیار کرنا چاہتے تو سب سے آسان کو اختیار فرماتے تھے۔

اور اسی طرح جیسا کہ بعض، خیال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ شارع نہیں تھے (۱۷)۔ آنحضرتؐ کی امر و نہی سوائے پروردگار عالم کی تبلیغ کے اور کچھ نہیں تھی۔ آنحضرتؐ جو کچھ پروردگار عالم کا حکم ہوتا اسے بغیر کسی کمی یا زیادتی کے لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اور جو کچھ کہتے سوائے وحی الٰہی کے کچھ اور نہ ہوتا۔ اس لیے کہ وہ اپنی خواہش نفس کی بنیاد پر گفتگو نہ کرتے تھے بلکہ سب وحی ہوتی تھی۔

> "وما ینطق عن الھویٰ ۝ ان ھو الا وحی یوحی" ۝
> (نجم/۴-۳)

اب ہم قرآن سے استفتا کرتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا اسلام مشکل و دشوار ہے؟ قرآن کے شروع کے مطالعہ میں ہی ہم اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ مشقت و تکلیف کو اپنے بندوں سے ختم کرتا ہے اور ان کے لیے ہرگز حرج مرج نہیں چاہتا۔ وہ فرماتا ہے:

> خدا نے تم کو منتخب کیا اور تمہارے لیے دین میں کسی قسم کی مشقت و تکلیف کو قرار نہیں دیا۔ (حج/۷۸)

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

> خدا تو تمہارے لیے ہرگز سختی و مشکل نہیں، چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں (آلودگیوں سے) پاک رکھے اور تم پر اپنی نعمت (دین اسلام) کو تمام کرے تا کہ تم شکر گزار رہو (مائدہ/۶)

اور ایک مقام پر فرماتا ہے:

> خداوند عالم تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے نہ کہ مشکل و سختی (بقرہ/۸۵)۔

یہ آیات امت اسلامی سے مربوط ہیں جنہوں نے دین اسلام کو قبول کیا

ہے اور عبادات و معاملات میں اس کے احکام و قوانین کو اختیار کیا ہے لیکن پروردگار کی رحمت سبھی کے شامل حال ہے چاہے وہ کسی بھی دین و آئین کا پیرو ہو۔ وہ سب ہی پر مہربان ہے اور اس نے کبھی بھی کسی کو مشقت میں نہیں رکھا۔

خداوند عالم انسان کی خلقت کے متعلق فرماتا ہے:

اس نے اسے نطفہ سے خلق کیا پھر راہ کو اس پر آسان کر دیا (عبس/۱۹)

لہٰذا الٰہی راہ جسے انسان اپنی زندگی میں کوشش کے ساتھ طے کرتا ہے تاکہ اس کی طرف پلٹ سکے بہت ہی آسان راہ ہے اس میں ذرا بھی مشقت اور دشواری نہیں ہے۔

خداوند عالم نے اپنی کتاب میں چار جگہ انسان کو آسان باتوں کے لیے مکلف کیا ہے اور فرمایا ہے:

۱۔ خداوند عالم نے کسی کو بھی اس کی توانائی سے زیادہ حکم نہیں دیا ہے (بقرہ/۲۸۶)

۲۔ کسی کو بھی اس کی قوت سے زیادہ مکلف نہیں کیا ہے (انعام/۱۵۲)

۳۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنی توانائی کے مطابق نیک عمل انجام دیا۔ بے شک ہم کسی کو بھی اس کی قدرت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے (اعراف/۴۲)

۴۔ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف دیتے ہی نہیں اور ہمارے پاس تو لوگوں کے (اعمال کی) کتاب موجود ہے جو بالکل ٹھیک (حال) بتاتی ہے اور لوگوں کی ذرہ برابر حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ (مومنون/۶۲)

ان آیات شریفہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خداوند عالم نے کسی بھی شخص کو اس کی توانائی سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی ہے اور یہ حضرت آدمؑ کے زمانہ سے لے کر ابھی تک رہا ہے۔

اب اگر دین میں سختی پیدا ہوگئی ہے تو یہ لوگوں کے اجتہاد کا نتیجہ ہے جنہوں نے شریعت کے اعلیٰ مقاصد کو اپنی فہم کے مطابق تاویل کیا ہے یا پھر بعض بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے تھے۔ پھر اپنے کو مشقتوں میں مبتلا کرتے تھے اور تکلیف دیتے تھے تاکہ شاید خداوند عالم انہیں بخش دے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ لہٰذا انہوں نے کچھ باتیں ایجاد کیں اور اپنے نفس پر سختی کی۔ خداوند عالم نے بھی ان کے لیے ان امور کو لازم و ضروری قرار دیا گرچہ آخر کار انہوں نے اسے پورا نہ کیا۔

اس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے:

اور رہبانیت (لذات سے کنارہ کشی) کی ان لوگوں نے خود ایک نئی بات نکالی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر (ان لوگوں نے) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے (خود ایجاد کرلیا) تو اس کو بھی جیسا نباہنا چاہیئے تھا نہ نباہ سکے (حدید/۲۷)

یہی وہ مقام ہے جہاں رسول خداؐ کا کلام نظر آتا ہے کہ:

اپنے آپ پر سختی نہ کرو تاکہ خدا بھی تم پر سختی نہ کرے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا (۱۸)۔

اس منطق کو پیش نظر رکھنے کے بعد خداوند عالم کا کلام بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جسے اس نے رسول اکرمؐ کے متعلق فرمایا ہے:

(وہ نبیؐ) جو انہیں اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور جو پاک اور پاکیزہ چیزیں ان پر حلال اور ناپاک اور گندی چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے اور وہ (سخت احکام کا) بوجھ جو ان کی گردنوں پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر (پڑے ہوئے) تھے اسے ہٹا دیتا ہے۔ (اعراف/۱۵۷)۔

لہٰذا انہوں نے خود یہ قید و بند اپنے لیے تیار کر رکھی تھی۔ خدا نے ایسا نہ کیا

تھا۔

اس بحث سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ دین اسلام میں کسی قسم کی مشقت، سختی، مشکل اور قید و بند نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سہل اور آسان دین ہے جو بندوں کے لیے سوائے رحمت و مہربانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا دین ہے جس نے ہمیشہ انسانوں کی جسمانی اور روحانی کمزوری کا پاس رکھا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے:

خداوند عالم تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے بے شک انسان کمزور خلق ہوا ہے (نساء/ ۲۸)۔

اور تم پر یہ تمہارے پروردگار کی رحمت تخفیف کی وجہ سے ہے (بقرہ/ ۱۷۸)

اس طرح آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اہل بیتؑ کی شناخت کے مطابق اور عام مجتہدوں کے اجتہاد اور مشکل پرستوں کی مشقت سے قطع نظر اسلام کیسا سہل و آسان دین ہے کہ آج کا انسان بھی دیگر زمانوں کے انسانوں کی طرح بغیر کسی سختی اور مشکل کے اسلام کو اپنی دنیا و آخرت کے لیے منتخب کر سکتا ہے۔

کیا اسلام ترقی کو قبول کرتا ہے؟

بے شک! اسلام نہ صرف ترقی کا مخالف نہیں ہے بلکہ خود عین ترقی و تمدن ہے۔

اسلام وہ بلند معنی و مفہوم ہے جسے انسان نے بشریت کے آغاز سے ہی پالیا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات موجود ہیں جو علم اور حصول علم کا شوق دلاتی ہیں اور انسان سے چاہتی ہیں کہ زندگی کے اعلیٰ مراحل تک پہنچنے کے لیے عقل و خرد سے کام لے چاہے اسے خلاء میں کیوں نہ پہنچنا ہو۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اے گروہ جن و انس اگر تم آسمان و زمین کی حدود سے آگے جا سکتے ہو تو جاؤ (رحمٰن/ ۳۳) (۱۹)۔

خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں انسان کو تمام مخلوقات پر برتر قرار دیا ہے اور اسے بتایا ہے کہ تمام کائنات اور مخلوقات اس کی خدمت پر کمربستہ ہیں۔

فرماتا ہے:

خدا تو وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور اس کے فضل (و کرم) سے (معاش کی) تلاش کرو اور شکر کرو اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے اس میں (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں (جاثیہ/ ۱۲۔۱۳)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

کیا تم لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (غرض سب کچھ) خدا ہی نے انہیں تمہارا تابع کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو (خواہ مخواہ) خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں (حالانکہ) نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت ہے اور نہ کوئی روشن کتاب ہے)۔ (لقمان/۲۰)

وہ مسلمان جو اپنے خدا کی کتاب میں یہ پڑھتا ہے کہ جو کچھ آسمان میں افلاک، چاند، سورج، برج، کہکشائیں، ستارے، ہوا، بادل، برف و باران کا وجود ہے اور زمین پر دریا، نہریں، پہاڑ، بیابان، جنگلات، درندے، حیوانات، خزانے، معادن، پتھر، جمادات و نباتات وغیرہ ہیں سبھی کچھ اس کے لیے مسخر کر دیئے گئے ہیں تو پھر وہ کیسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے اہل مغرب کی ایجاد و پیشرفت کا منتظر رہتا ہے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو اس نے اپنے فریضہ کو ترک کر دیا ہے اور اپنی وقعت کو گرا دیا ہے اور اسے زبردست گھاٹا ہوا ہے۔ اس لیے کہ جو قرآن خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے اس میں ساری چیزیں موجود ہیں اور کسی قسم کی کمی اور نقص اس میں نظر نہیں آتا۔

قرآن فرماتا ہے:

ہم نے کتاب میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی ہے۔

(انعام/۳۸)(۲۰)۔

رسول خدا نے بھی (انسان) کو علم و دانش کے حاصل کے لیے تشویق دلائی ہے اور فرمایا ہے: ”گہوارہ سے قبر تک علم حاصل کرو۔“

صرف یہی نہیں بلکہ اسے سب سے بلند مقام کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر انسان عرش سے آگے کا حوصلہ بھی رکھے تو وہاں بھی پہنچ سکتا ہے“

لہٰذا اسلام علم و دانش اور ترقی کے میدان میں بہت آگے گیا ہے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ کا قائل نہیں ہے۔ البتہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ کہیں بات طولانی نہ ہو جائے اور کتاب کے اصل مقصد سے خارج نہ ہو جائیں تو اس موضوع پر ایک مفصل بحث کرتا۔ محققوں کی ذمہ داری ہے کہ اس موضوع پر دوسری تحقیقی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

یہ مطالب اس سوال کا جواب تھے جسے شروع میں ہی عرض کیا تھا۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ترقی سے مراد فقط علمی، فقہی، تکنیکی اور صنعتی ترقی ہو جس نے یورپیوں، امریکیوں اور خصوصاً جاپانیوں کی عقلوں اور ان کے گھروں کو چکاچوند کر رکھا ہے۔ اور مسلمان اس سے بے خبر ہیں ان کے خیال میں یہ ساری قابل توجہ ایجادات اور علمی ترقی غیر مسلموں کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اسلام ان کی پسماندگی کا باعث ہے!!! خصوصاً بعض کیمونزم پرست جو دین کو قوم کے لیے افیون سمجھتے ہیں۔ اگر ان کے پاس انصاف ہوتا تو یہ سمجھ لیتے کہ دین اسلام نے ہی قوموں کو زندہ کیا ہے اور انسانی ترقی کو دائمی رفتار بخشی ہے۔ کیا یہی اسلام نہ تھا جس نے ایک ناچیز قوم کو کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا اسے جزیرۃ العرب میں ہر چیز کا مالک بنا دیا۔ اور اس درجہ کہ یہی پسماندہ سرزمین ساری دنیا کے لیے علم، ترقی، پیشرفت اور مدنیت کا مقصد و مرکز بن گئی۔ اور بعض یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ ”اسلام و عرب کا سورج یورپ پر چمکنے لگا“ اور یہ اقرار کیا کہ ان بادیہ نشین عربوں نے اسلام سے متمسک ہونے کے بعد بھلائی کے ہر میدان میں ترقی کر لی اور ہر طرح کے ایجاد میں پیش قدم ہو گئے (۲۱)۔

اگر ترقی سے مراد وہ ترقی ہے جسے اہل مغرب و امریکہ نے اپنے یہاں کھلی آزادی کا لباس پہنا رکھا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم جنس

بازی اور برہنہ رہنے والوں کے لیے کلب کھول دیئے گئے ہیں اور جانوروں اور کتوں کے لیے میراث معین کردی گئی ہے۔ ہر روز نئی چیز وجود میں آرہی ہے۔ اور وہ تمام اخلاقی برائیاں جس کی مغربی ٹیلی وژن سے تبلیغ ہوتی ہے تو بلاشبہ اسلام نے ایسی باتوں کو اپنے یہاں کوئی جگہ نہیں دی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ پوری طاقت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا ہے اور فساد و تباہی کے تمام مراکز کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

یہاں ضروری ہے کہ ہم کچھ مسلمانوں کی بعض عجیب عجیب وغریب روش کی طرف بھی اشارہ کریں جو رسول خداؐ کی سنت سے تمسک کے مدعی ہیں اور خودکو (سلفی) کہتے ہیں مثلاً ہم ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا کرتا یا انگا عربی پیرہن پہنے ہوئے ہیں۔ داڑھی سینے تک لہرارہی ہے۔ ہاتھ میں ایک عصا ہے، مسجد کے کنارے کھڑے ہیں، (اراک) لکڑی سے مسواک کررہے ہیں اور کبھی دائیں طرف کے دانت اور کبھی بائیں سمت کے دانت رگڑے جارہے ہیں۔ کبھی اس سے نکلتی رطوبت کو تھوک دیتے ہیں تو کبھی نگل جاتے ہیں! اپنے سر کو باندھ رکھا ہے اور اگر کبھی انھیں اپنے گھر کھانے کی میز پر دعوت دیں تو مخالفت کریں گے۔ حتیٰ کہ چمچہ اور کانٹے سے کھانا کھانے کو تیار نہیں ہوں گے بلکہ ہاتھ سے نوش فرمائیں گے۔ انگلیوں کو برابر چاٹتے رہیں گے اور فرمائیں گے: میں رسول خداؐ کی سیرت پر عمل کرنا چاہتا ہوں!!!

اور بعض تو دو چار قدم اور آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے لاؤڈ اسپیکر سے اذان ممنوع کردی ہے۔ اس لئے کہ یہ رسولؐ کے زمانہ میں نہ تھا اور یہ بدعت ہے!!

اور بعض نے تو پسماندگی کو اس کے اوج پر پہنچادیا ہے اور سوچ رہے ہیں کہ لوگوں کو ان باتوں کی جانب واپس لائیں لہٰذا جو بھی تیز آواز میں ہنستا ہے منع

کرتے ہیں، فوراً اس پر بگڑ پڑتے ہیں اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتے ہیں اور ہنسنے سے منع کرتے ہیں اس لیے کہ آنحضرتؐ فقط مسکراتے تھے۔ اور اگر انہوں نے کسی کو پیٹ کے بل لیٹا ہوا دیکھ لیا تو زور سے لات مارتے اور نیند سے اٹھادیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے شیطان سوتا ہے۔

میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی چھوٹی بچی کی پٹائی کررہا ہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس کم سن بچی نے مہمانوں کو داہنے ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے شربت پیش کردیا تھا۔ اتنے مہمانوں کے سامنے اس بچی کی اہانت اور پٹائی کرکے ان کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ سنت کی حفاظت کرنی چاہیے!!!

آخر یہ کیسی سنت ہے جس سے لوگ متنفر اور بددل ہوجائیں خصوصاً اس وقت جب اسلام اس شکل میں دشمنوں اور غریبوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

بلاشبہ یہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور اسلام کا منور چہرہ پیش کرنے اور اپنی طرف جذب کرنے کے بجائے ایسی ہی بری اور نازیبا حرکتوں سے متنفر کردیتے ہیں کہ جن پر پھر کسی تبلیغ کا اثر نہیں ہوسکتا۔

ان کو یہ نہیں معلوم کہ رسول خداؐ نے اگر اُن دنوں اراک کی شاخ کو مسواک کے بطور استعمال کیا اور اسے دانتوں کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے کام میں لائے تو یہ اس لئے تھا کہ اس زمانہ میں آج کی طرح مختلف قسم کے برش اور ٹوتھ پیسٹ نہیں تھے اور یہ آنحضرتؐ کی ترقی پسندی کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے اس زمانہ میں دانتوں کی صفائی اور پاکیزگی پر اس درجہ توجہ دی۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی۔ لیکن یہ ان باتوں سے قانع نہیں ہوتے اور استدلال پیش کرتے ہیں کہ اراک کی شاخ سارے برش اور ٹوتھ پیسٹ سے بہتر ہے اس میں مخصوص نمک ہے وغیرہ وغیرہ...... اگر آپ ان سے اس ترقی کے متعلق بتائیں کہ یہ ٹوتھ پیسٹ دانت اور منہ کو اسٹرلائیز (sterilize) کردیتا ہے، صاف کرنے

والا اور بہت ہی مفید ہے تو بھی وہ اس لکڑی کو بہتر سمجھیں گے۔ اور اس کو غیر طبعی ڈھنگ سے جیب میں رکھیں گے بلکہ کبھی کبھی تو آپ دیکھیں گے منہ کے خون کی وجہ سے اس کا رنگ لال ہوگیا ہے! مگر پھر بھی وہ رسول خداؐ کا قول دہراتے ملیں گے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

اگر مجھے اپنی امت کے لیے سختی کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنی امت پر ہر واجب نماز سے پہلے مسواک کرنا واجب قرار دے دیتا۔

افسوس کہ یہ لوگ سنت پیغمبرؐ کے متعلق سوائے سطحی اور ظاہری مسائل کے اور کچھ نہیں جانتے اور آنحضرتؐ کے قول کے روحانی اور علمی گوشوں سے بالکل بے خبر ہیں۔

بہرحال یہ اندھی تقلید کی طرح ان باتوں اور حرکتوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ نہ ہی فہم و ادراک کی بنیاد پر ہے اور نہ ہی غور و تحقیق سے اس کا کوئی ربط ہے۔ فقط جو باتیں اپنے پیشواؤں اور اماموں سے سن لی ہیں اسی کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ اس میں بہت سے تو سطحی معلومات رکھتے ہیں اور شاید صدفی صد جاہل ہوں۔ لیکن اگر ان پر اعتراض کیجئے تو کہیں گے کہ رسولؐ نے بھی علم حاصل نہ کیا تھا!!!

پس ایسے افراد پر تو اس زمانہ میں فخر و مباہات کرنی چاہیے جو قول میں بھی اور شکل و انداز میں بھی آنحضرتؐ کے پیرو ہیں!!!

ایک مرتبہ مسجد عمر بن خطاب (پیرس میں) میں نے ان سے بحث کی اور کہا: کیا آپ واقعاً سنت پیغمبرؐ سے متمسک ہیں اور جو بھی نیا ہے اسے بدعت سمجھتے ہیں اور معتقد ہیں کہ جو چیز نئی ہیں وہی سب سے بدتر ہیں۔ اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت و گمراہی کا انجام دوزخ ہے؟

انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ تو میں نے کہا پھر آپ کارپٹ پر کیوں نماز پڑھتے ہیں؟ جبکہ یہ مصنوعی اور جدید طرز پر بنا ہوا فرش ہے یہ مغربی ممالک

میں بنا ہے معلوم نہیں اسے کس مواد سے بنایا گیا ہے؟ جو چیز قطعی ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ نے ہرگز کارپٹ کے اوپر نماز ادا نہیں فرمائی۔ اور اصلاً اسے انہوں نے دیکھا تک نہیں!!

ان میں سے بعض کہنے لگے ہم مغربی ملکوں میں رہتے ہیں ہمارا حکم مضطر (مجبور) کا ہے لہٰذا فقہ میں یہ بات آئی ہے کہ ضرورت حرام چیزوں کو جائز کردیتی ہے۔

میں نے کہا یہ کون سی ضرورت ہے آپ اس فرش کو اٹھا دیں اور زمین پر نماز پڑھیں کیونکہ آنحضرتؐ نے زمین پر نماز ادا کی ہے یا پھر کم از کم سجدہ کی جگہ پر پتھر رکھ لیں؟

امام جماعت نے مذاق اڑانے کے انداز میں ہماری طرف رخ کیا اور کہا:

تم جیسے ہی مسجد میں داخل ہوئے میں سمجھ گیا کہ تم شیعہ ہو۔ کیونکہ تم نے سجدہ کی جگہ پر کاغذ رکھا تھا ہم نے کہا: اس میں کوئی حرج ہے؟ کیا آپ جس صحیح سنت کا نعرہ لگاتے ہیں اس سے ہمیں مطمئن کر سکتے ہیں؟

اس نے کہا: مجھے بحث کرنے کو وہ بھی خاص کر شیعوں سے منع کیا گیا ہے۔ اور ہم تمہاری ایک بھی بات سننے کو تیار نہیں ہیں۔ ہمارے لئے ہمارا دین اور تمہارے لئے تمہارا دین کافی ہے۔

یہ وہ سرگذشت تھی جس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوا اور اس سے مسلمان اور روشن فکر حضرات کو اندازہ ہوگا کہ سنت پیغمبر کبھی بھی علمی ترقی اور ٹیکنالوجی کی مخالف نہیں رہی ہے اور اسے ہرگز حرام قرار نہیں دیا گیا ہے۔

مرد ہو یا عورت اس پر ہرگز مناسب لباس پہننا حرام قرار نہیں دیا گیا، بس یہ ضروری ہے کہ بدن ڈھکنا چاہیے اور توہین کا باعث نہ ہونا چاہیے۔ اور عورتوں

کو پردہ کی رعایت کرنی چاہیے۔ چونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

پروردگار عالم تمہارے لباس، حالت، شکل وصورت اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔
(صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۹۸۷/ ح ۲۵۶۴)

چنانچہ سنت پیغمبرؐ ہرگز ڈائننگ ٹیبل اور چمچ، کانٹے کی مخالف نہیں ہے۔ بلکہ اہم یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں ادب کا پاس رکھے اس طرح کہ ساتھ بیٹھنے والے یہ خیال نہ کریں کہ حیوانوں کی طرح شکار پر ٹوٹا پڑ رہا ہے اور کھانے پینے میں اس کے داڑھی اور بال شریک نہ ہوں۔

سنت پیغمبرؐ ٹوتھ پیسٹ اور برش سے دانت منہ کی صفائی کی مخالف نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بات کی مخالف ہے کہ انسان اپنے بدن کو پاک صاف رکھے، بدن کے زائد بالوں کو دور کرے، خوشبو لگائے اور خود کو معطر کرے تاکہ لوگ اس سے متنفر نہ ہوں نیز جیب میں ایک صاف رومال رکھے۔ لیکن وہ لوگ جو سنت کی پیروی کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے بدن کی بدبو خصوصاً گرمی میں حمام نہ جانے کی حکایت کرتی ہے راہ چلتے ہوئے ہاتھ کو آب دہن سے آلودہ کرتے ہیں۔ ناک کی کثافت لوگوں کا خیال کئے بغیر جہاں چاہتے ہیں چھینک دیتے ہیں ہاتھ کو دامن سے صاف کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ ...... خدا کی قسم سنت پیغمبرؐ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

سنت پیغمبرؐ ہرگز ممانعت نہیں کرتی کہ مسلمانوں تک اذان کی آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر، مائیکروفون، ٹیپ ریکارڈر کا استعمال نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس بات کی بھی ممانعت نہیں کرتی کہ مسجد میں وڈیو کا استعمال کیا جائے۔ اور اوقات نماز کے علاوہ اس پر اسلامی فلم یا دینی سبق دیکھا اور سنا جائے۔

سنت پیغمبرؐ مسلمان عورتوں کے سینٹری نیپکن (Sanitary Napkin) کے استعمال کی ممانعت نہیں کرتی اور اگر وہ مباح کاموں کے لیے ڈرائیونگ کرتی

ہیں اور بازار جاکر دکانوں سے اپنی ضرورت کا سامان خریدتی ہیں تو سنت پیغمبرؐ اسے حرام نہیں سمجھتی۔ صرف شرعی پردہ کا خیال رکھیں۔ اپنے دامن کو حرام سے بچائیں، نامحرم کو نہ دیکھیں جیسا کہ خود پروردگار عالم کا حکم ہے۔ مختصر یہ کہ سنت نبویؐ ترقی کی مخالف نہیں ہے لیکن اس وقت تک جبکہ یہ انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے ہو اسے بیماریوں سے محفوظ رکھے اور سعادت بخشے۔

اے رسولؐ ان سے پوچھو تو کہ جو زینت کے سازوسامان اور کھانے پینے کی صاف ستھری چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہیں کس نے حرام کردیں؟ (عراف۔ ۳۲)

ہاں! اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام کیا ہے جو گندگی، کثافت ونجاست میں شمار ہوتی ہیں اور ان تمام چیزوں کا مخالف ہے جن سے آدمی فطرتاً نفرت کرتا ہو جیسے بدبو، گندے ناخن وبال، نجاست و کثافت کے عالم میں رہنا۔ چونکہ خداوند عالم جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے۔ لہٰذا آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہر بندہ مومن حتیٰ کہ کافر بھی جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو صورت ولباس کو مرتب کرتا ہے، خوشبو لگاتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کو کوئی گھر ایسا نہ ملے گا کہ اس میں آئینہ نہ ہو۔ تو جب مرد حضرات زینت وآرائش کی فکر میں ہیں تو پھر عورتوں کو کیوں اس سے منع کیا جائے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ اسلام کے معین حدود سے خارج نہ ہوجائیں اور نامحرم مردوں کے سامنے بن سنور کر نکلنے نہ لگیں۔

''الناس اعداء ماجهلوا'' (۲۲)

جس چیز کو لوگ نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایام جوانی میں مجھے روز چہارشنبہ سرمہ لگانا بہت پسند تھا اور بہت سی احادیث کی کتابیں موجود ہیں جو روایت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے اور اس کی تشویق فرماتے تھے لیکن اس کے برخلاف جب بھی میں سرمہ لگاتا تو عورت و مرد مجھے عجیب نظر سے دیکھتے اور ایک دوسرے کو

سیاسی مشکلات، تمدن کا نتیجہ

جس وقت رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا: حبشہ کی سمت روانہ ہوجاؤ اس لئے کہ وہاں کا بادشاہ ایسا ہے کہ اس کے یہاں کسی پر بھی ظلم و ستم نہیں ہوتا۔ (الکامل فی التاریخ / ج ۲ / ص ۴۷)

کیا آنحضرتؐ نے ان اصحاب کو پاسپورٹ دیا؟ یا حبشہ سے ان لوگوں کے لیے ویزے کی درخواست کی؟ یا پیسہ تبدیل کروایا؟ نہیں!

نہ یہ مسائل اس زمانہ میں تھے اور نہ ہی اس طرح کی بات سامنے آئی۔ اللہ کی زمین وسیع تھی جب بھی انسان پر اس کا وطن دشوار ہوجاتا، مرکب پر سوار ہوتا اور خدا کی طویل و عریض زمین پر کہیں کے لیے بھی نکل پڑتا۔ اور مناسب جگہ ٹھہر جاتا۔ نہ کسی قسم کا محاسبہ ہوتا نہ سیکیورٹی چیکنگ ہوتی نہ کسٹم کا مسئلہ پیش آتا نہ ٹیکس اور میڈیکل سرٹیفکیٹ کی ضرورت پڑتی اور نہ گدھے اور خچر کے لیے شہنشاہی گواہی کی ضرورت پیش آتی تھی کہ کہیں چرایا ہوا نہ ہو یا کوئی ٹیکس ادا کئے بغیر چل دیا ہو۔

کیا یہ تمدن یا کثرت جمعیت بہتر ہوگا، جس نے زمین کو مختلف ملکوں اور حکومتوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ہر حکومت اپنے ملک کی زبان میں بولتی ہے اور ہر ملک کا الگ پرچم ہے۔ زمینی اور دریائی حدیں ہیں۔ جن پر چوکس نگہبان تعینات ہیں تاکہ ہر کس و ناکس گھس نہ آئے۔ جب قوموں کی تعداد بڑھی طمع میں شدت آئی اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کا استحصال کرنے اور دبانے کی فکر میں پڑ گیا۔ انقلاب، بغاوتیں، جرائم بکثرت ہوگئے۔ تو ترقی یافتہ سماج قومیتوں کو الگ

کرنے لگے، ولادت و وفات کی گواہی اور شناختی کارڈ بنائے گئے، پاسپورٹ بھی بن گیا، سرحدیں بن گئیں، اب ہر شخص میں طاقت نہ تھی کہ بغیر اجازت اور ویزا دوسرے کی سرحد میں داخل ہوسکے خلاصہ یہ کہ ہر جگہ اور ہر حکومت کا ایک جداگانہ قانون بن گیا۔

میں بھی بہت سے جوان مسلمانوں کی طرح اپنے ملک کی اذیت و آزار اور سیاسی مشکلات کے بعد دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگیا لیکن میرے لئے سارے دروازے بند نظر آئے خصوصاً عربی اور اسلامی ممالک میں۔

میں کتاب خدا کی اس آیت کو پڑھنے کے بعد کسی درجہ حیران ہوجاتا ہوں، وہ فرماتا ہے:

> بے شک جن لوگوں کی قبض روح فرشتوں نے اس وقت قبض کی ہے کہ (دارالحرب میں پڑے) اپنی جانوں پر ظلم کررہے تھے تو فرشتے قبض روح کے بعد حیرت سے کہتے ہیں تم کس (حالت غفلت میں تھے) تو وہ (معذرت کے لہجے میں) کہتے ہیں ہم تو روئے زمین پر بے کس تھے تو فرشتے کہتے ہیں کہ خدا کی لمبی، چوڑی زمین میں اتنی بھی گنجائش نہ تھی کہ تم (کہیں) ہجرت کر کے چلے جاتے!! پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا، برا ٹھکانا ہے (نساء/ ۹۷)

میں اپنے آپ سے کہتا ہوں سچ ہے پوری دنیا کی زمین سب کی سب خدا کی ملکیت ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں لیکن بعض خدا کے بندوں نے اس پر قبضہ کیا اور آپس میں تقسیم کرلیا اور دوسروں کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اگر غیر مسلم مثلاً فرانسیسی، جرمن، انگریز، امریکن عذر کریں تو ٹھیک۔ لیکن مسلمان ملکوں کے پاس کیا بہانہ اور عذر ہے اور اگر عرب و اسلامی ممالک کے پاس کوئی بہانہ ہے بھی تو حاکم مکہ و مدینہ کے پاس کیا بہانہ رہ جاتا ہے جو مسلمانوں کو

اجازت نہیں دیتے کہ وہ آسانی سے آسکیں۔ان سے حج وعمرہ کے لئے ٹیکس لیتے ہیں اور کس مشکل سے ویزا دیتے ہیں۔

سچ مچ حیرت ہوتی ہے جب ہم قرآن میں پڑھتے ہیں

بے شک جو لوگ کافر ہو بیٹھے اور خدا کی راہ سے اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے عبادت گاہ بنایا ہے (اور) اس میں شہری اور دیہاتی سب کا حق برابر ہے لوگوں کو روکتے ہیں۔(حج/۲۵)

پس اگر خدا نے مسجد الحرام کو سبھی کے لئے مرکز امن قرار دیا ہے چاہے وہ وہاں ساکن ہوں یا باہر سے آئیں پھر اس ملک کی حکومت کس طرح بعض کو آنے کی اجازت دیتی ہے اور بعض کو نہیں دیتی۔اب تو ہمیں اپنے اسلام و قرآن کی طرف پلٹنا چاہیے اور اپنے امور میں تبدیلی لانا چاہیے۔

ایک طویل مدت گذر گئی اور میں اس فکر وخیال میں سرگرداں تھا حتیٰ کہ اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے عرض کیا کرتا تھا کہ پروردگار تو کہتا ہے اور تیرا قول حق ہے:

کیا خدا کی زمین وسیع نہیں کہ تم اس میں ہجرت کرو۔(نساء/۹۷)

اور تیرا ہی قول ہے کہ: (لوگوں کو مناسک حج ادا کرنے کے لئے بلاؤ تاکہ لوگ سوار اور پیادہ ہر طرف سے اکٹھا ہو جائیں)۔(حج/۲۷)

بے شک تیری زمین جو وسیع وعریض ہے لیکن اس پر دوسروں کا قبضہ ہے اور یہ گھر تو تیرا ہے لیکن دوسرے اس کے مالک بن بیٹھے ہیں اور وہاں آنے سے روکتے ہیں خدایا کیا کیا جائے؟

ایک روز قرآن کے متعلق نہج البلاغہ میں امیر المومنین کے کلام کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مجھے ایک ایسا جملہ نظر آیا جسے میں نے کئی مرتبہ پڑھا اور جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی اس نے یہ معما حل کر دیا اور میری حیران فکر کو سکون بخشا۔

حضرت امیر المومنین قرآن مجید کے متعلق نہج البلاغہ کے سب سے پہلے خطبہ میں فرماتے ہیں:

"کچھ آیات واحکام ہیں جو اپنے وقت پر واجب ہیں لیکن مستقبل میں ان کا وجوب نہیں رہتا۔"

حضرتؑ کے اس کلام سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ وہ آیات ہیں جن پر عمل آنحضرتؐ کے زمانہ میں ممکن تھا۔لیکن مستقبل میں ستمگروں اور کافروں کے قبضہ کی وجہ سے غیر ممکن ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر کوئی روز قیامت اپنے خدا سے کہے:

پروردگارا! میں تیری زمین پر کمزور ولاچار تھا تو وہ خداوند عالم جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے اسے پتہ ہے کہ وہ ایسے ہی زمانہ میں تھا تو وہ اس سے یہ نہ فرمائے گا کہ تیری جگہ دوزخ ہے اور یہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

اور اگر کوئی اس وقت اپنے رب سے کہے کہ:

پروردگارا! مجھے تیرے گھر آنے سے روک دیا گیا۔میں تیرا حج نہ کرسکا۔تو اسے یہ جواب ملے گا: میں نے بھی تجھ سے کہا تھا اگر تم میں حج کرنے کی استطاعت وقدرت ہو تو کرنا پس تمہارا عذر معقول ہے اور جس شخص نے تم کو آنے سے روکا وہ ذمہ دار ہے اور اسی کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اے امیر المومنینؑ! آپ پر سلام ہو۔جس روز آپ نے اس دنیا میں آنکھیں کھولیں اور جس روز آپ نے اس دنیا سے وفات پائی اور جس روز بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔(۲۸)

نیکی کی طرف دعوت اور برائی سے روکنا

اس نئے تمدن نے سماج کے درمیان جن سیاسی مشکلات کو جنم دیا ان میں سے ایک خود بینی بھی ہے۔ یعنی ہر آدمی صرف اپنی فکر میں ہو اور دوسروں کا ذرا بھی خیال نہ کرے۔ خود سلامت رہے، دوسرے جہنم میں جائیں! یہ بدترین صورتحال ہے جس میں آج کا انسانی سماج گرفتار ہے وہ بھی اس طرح کہ امّت کے مفادات تو خطرہ میں ہوں اور انجام نامعلوم ہو لیکن نہ کوئی آواز اٹھائے اور نہ آگے قدم بڑھائے۔ ایسی صورت میں بہادری، مردانگی، ایثار، جہاد، ظالموں کے مقابلہ میں استقامت جیسے عظیم اقدار نابود ہوجائیں گے۔ دین کا رنگ پھیکا اور ضمیر کی موت واقع ہوجائے گی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے قرآن سے استدلال پیش کیا، بعض احادیث کے ذریعہ بھی اسی طرح استدلال پیش کریں گے۔ رسول خدا کا قول جس پر سبھی کا اتفاق ہے اسے ساتھ ملکر پڑھتے ہیں۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

"تم کو چاہیے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دو اور برائی سے روکو نہیں تو خدا تم میں سب سے برے کو تم پر مسلط کردے گا پھر تمہارے اچھے لوگ دعا کریں گے لیکن ان کی دعا مستجاب نہ ہوگی (۲۹)۔

نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا امّت کی زندگی کے لیے ایک لازمی امر ہے اسی لئے ائمہ نے اسے دین کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر اسلامی گروہ جو نعرہ سب سے پہلے بلند کرتے ہیں وہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا نعرہ ہے۔ لیکن ترقی یافتہ سماج شدت سے اس نعرہ کے مخالف ہیں اور

اس سے مقابلہ کے لیے انہوں نے مختلف تنظیمیں بنا رکھی رہیں۔ جیسے انسانی حقوق کی تنظیم، خواتین کے حقوق کی تنظیم اور جمعیت تحفظ حیوانات وغیرہ...... لہٰذا اگر خود حکومت اس اہم امر (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کو اپنے ذمہ نہ لے تو یہ محال ہے کہ لوگوں کی جماعت اسے انجام دے سکے متفرق افراد کا تو شمار ہی نہیں۔

آج آپ خود بہت سی برائیوں کے شاہد ہیں لیکن ان کی مخالفت کرنے کی قوت نہیں رکھتے یہاں تک کہ اگر نہی از منکر کریں تو ممکن ہے مدمقابل چاہے لڑکی ہو یا لڑکا آپ کے خلاف کورٹ میں مقدمہ درج کرسکتا ہے پھر بڑے اچھے انداز میں آپ سے کہا جائے گا اس سے تمہیں کیا سروکار! بے جا مداخلت نہ کرو! اور اگر آپ نے کہا میں امر بالمعروف اور نہی از منکر کررہا ہوں تو آپ کو جواب ملے گا یہ حق تم کو کس نے دیا اور کس طرح تمہیں حاصل ہے؟

خود مجھے اس کا تلخ تجربہ ہے جیسا کہ بعض دیگر مسلمانوں کے ساتھ یہ صورتحال پیش آئی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں تلخی، ناچاری اور افسردگی کا مزا مجھے اب بھی محسوس ہوتا ہے اور دو باتوں کے درمیان اب بھی سرگرداں ہوں:

اولاً۔ میرا عقیدہ مجھے اپنے شرعی فرائض کی ادائیگی کے لئے آگے بڑھاتا ہے اور اگر خاموشی اختیار کروں تو جواب دہ ہونا پڑے گا۔

ثانیاً۔ جس فضا میں زندگی گزار رہا ہوں اس نے مجھ سے اس حق کو زبردستی چھین رکھا ہے اور مجھے خائف کررہی ہے کہ میں پھر اس فریضہ کو انجام نہ دوں میں گورنر کی گفتگو نہیں بھول سکتا ایک روز اس نے کہا تھا کیا تم خدا کے رسول ہو؟ اور خدا نے تمہیں نئے دین کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کرو؟ میں نے اسے جواب دیا ہرگز نہیں!

اس نے کہا: اچھا پھر جاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو دیکھو اور ہمیں اپنے

شر سے نجات دو! ہم لوگوں کی سلامتی اور ان کے امن و امان کے ذمہ دار ہیں اور اگر ہر ایرے غیرے کو امر و نہی کی اجازت دے دیں تو ملک ہرج و مرج کا شکار ہو جائے گا۔

میں بھی اپنی جگہ چپ بیٹھ رہا اگر چہ اندر سے اپنے فریضہ کا احساس کرتا تھا اور کرنے نہ کرنے کے درمیان سالوں گذر گئے یہاں تک کہ رسول گرامیؐ کی حدیث نظروں سے گذری جس میں آپؐ فرماتے ہیں۔

"تم میں سے جو بھی کسی برائی کو دیکھے تو اسے خود اپنے ہاتھ سے ختم کرے اور اگر قادر نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کا بھی امکان نہ ہو تو اپنے قلب سے اور یہ ایمان کا نہایت ہی ضعیف مرحلہ ہے (۳۰)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"خدا نے ہم سے پہلے کسی ایسے نبی کو مبعوث نہیں فرمایا جس کے حواری و اصحاب نہ رہے ہوں وہ اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ ان کے بعد دوسرا گروہ ان کا جانشین بنا گیا لیکن یہ جو کہتے اس پر عمل نہ کرتے تھے اور جو کرتے اس کا انہیں حکم نہ ہوتا تھا لہٰذا جو بھی ایسوں سے اپنے ہاتھ اور اپنی قوت سے ان سے مقابلہ اور جہاد کرے مومن ہے اور جو اپنی زبان سے ان کا مقابلہ کرے مومن ہے۔ اسی طرح جو اپنے قلب سے ان کا مقابلہ کرے وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد تو پھر رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان باقی نہیں بچتا۔" (۳۱)

میں نے پروردگار عالم کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہماری قوت سے زیادہ ہمیں تکلیف نہیں دی ہے۔ بے شک آنحضرتؐ کی یہ حدیث کتاب خدا کی تفسیر کرتی ہے۔ چوں کہ ماضی، حال اور مستقبل کا علم خدا کے پاس ہے لہٰذا اسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ مسلمان پر ایسا آئے گا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کی قوت

نہ رکھتے ہوں گے۔ اسی کے پیش نظر اس نے حکم کو آسان رکھا۔ اور ان کی قوت سے زیادہ ان سے طلب نہ کیا آنحضرتؐ نے نہی از منکر کے مراحل کو تدریجاً بیان فرمایا ہے اور یہ اسلامی سماج میں تبدیلی اور قوت کے ضعف میں بدل جانے کے اوپر دلیل ہے اسی طرح حالات کے بدلنے کی صورت میں حکم شرعی میں تبدیلی کے اوپر بھی دلیل ہے۔

تو جس کے پاس قوت ہے اسے طاقت سے برائیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے لیکن جس کے پاس قوت نہیں ہے لیکن زبان سے منکرات کو روکنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ زبان سے ان کا مقابلہ کرے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا یا اس کی وجہ سے دردسر اور مشکلات پیدا ہو جائیں گی تو اس صورت میں منہ سے کوئی بات کہے بغیر صرف قلبی مخالفت کافی ہے۔ پس کس درجہ بے نیاز ہے وہ رب جس نے لوگوں کو ان کی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ اور بے شمار دُرود ہو اس نبیؐ رحمت پر جو مومنین پر خود ان سے زیادہ مہربان تھا اسی طرح ان کی پاک وطاہر آلؑ پر بھی درود و سلام ہو۔ (۳۲)

مہذب انسان، آسان شریعت

بلاشبہ جو آسمانی ادیان خداوندعالم کی جانب سے نازل ہوئے ہیں ان کا مقصد سب سے پہلے: انسان میں پروردگار عالم کی معرفت پیدا کرنا تھا اور اس کو بت پرستی، شرک اور مختلف طرح کی گمراہی سے نجات دینا تھا۔
دوسرے: اس کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنا تھا اور یہ مقاصد دو بنیادی چیزوں سے عبارت ہیں:

ا۔ ایمان
۲۔ عمل

اور جب بھی ایمان وعمل کہا جائے تو اس سے مراد صحیح ایمان اور عمل صالح ہے۔ لہٰذا ہر ایمان وعمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے انسان مختلف عقائد پر ایمان رکھے لیکن اسلام سے اس کا ذرہ برابر بھی ربط نہ ہو اور ممکن ہے کہ عقائد اسے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ہاتھ لگے ہوں اور بالفرض صحیح ہوں تو بھی ممکن ہے اس میں تغیّر وتبدیلی پیدا ہوگئی ہو۔

خداوندعالم فرماتا ہے۔

اور جب ان سے کہا گیا کہ جو قرآن خدا نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے ہم تو اس کتاب توریت پر ایمان لائے ہوئے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی تھی اور اس کتاب قرآن کو جو اس کے بعد آئی ہے نہیں مانتے حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے اور اس کتاب (توریت) کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتا ہے۔ (بقرہ/۹۱)

بعض اوقات انسان کسی کام کو یہ سمجھ کر انجام دیتا ہے کہ اس میں بشریت کے لئے فائدہ ہے جبکہ اس کے کاموں سے سوائے نقصان وضرر کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

خداوند عالم فرماتا ہے۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ کرتے پھرو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرتے ہیں خبردار ہو جاؤ! بیشک یہ لوگ فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں (بقرہ/۱۱/ ۱۲)۔

یا ممکن ہے انسان نیک کام کرے جو بشریت کے لئے بہت ہی مفید اور فائدہ مند ہو لیکن اس نے اسے خدا کے لئے انجام نہ دیا ہو بلکہ اس کا مقصد صرف دکھاوا اور ریاکاری ہو تو اس طرح کا عمل سراب اور دھوکہ ہے کہ دور سے پیاسے اس کی طرف پانی سمجھ کر آئیں لیکن جب نزدیک پہنچیں تو کچھ نہ پائیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اور ان لوگوں نے دنیا میں جو کچھ نیک کام کئے ہیں ہم انکی طرف توجہ کریں گے (کہ وہ فاسد اور غیر خالص اعمال ہیں) گویا اڑتی ہوئی خاک بنا (کر برباد کر) دیں گے۔ (فرقان/ ۲۳)

اگر دین انسان کے لئے راہنمائی ہے جس کے ذریعہ وہ ہدایت پائے اور ترقی کرے اس لئے کہ ابتدائے خلقت سے انسان جہاں بھی تھا وہاں دین موجود تھا اور یہ بات موجودہ تحقیقات اور آثار قدیمہ کی شناخت کرنے والوں کے ذریعہ بھی مسلم ہو چکی ہے کہ ابتدا میں رہنے والے انسان بہت سی چیزوں سے ناواقف تھے اور بہت عرصے کے بعد انھیں اس کا علم ہوا لیکن ان کے یہاں پہلے سے ہی عبادت گاہ نظر آتی ہے اور اسی مطلب کی طرف پروردگار عالم کا قول اشارہ کرتا ہے۔

لوگوں کی عبادت کے واسطے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا وہ یقیناً

یہی (کعبہ) ہے جو مکہ میں بڑی خیر و برکت والا ہے اور سارے جہاں کے لوگوں کے لئے رہنما ہے۔ (آل عمران/۹۶)

پس یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ تمدن آسمانی ادیان کا نچوڑ ہے اور اس اصل کی رو سے جو اسلام محمد بن عبداللہؐ پر نازل ہوا نہایت ہی ترقی یافتہ تمدن ہے جس پر انسانیت سبقت حاصل نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس سے آگے بڑھ سکتی ہے بلکہ ہمیشہ اس سے ایک زینہ نیچے ہی رہے گی۔ اور اس سے وابستہ رہے گی۔

بیشک یہ قرآن متمدن انسان میں حیرت انگیز تبدیلی کا باعث ہوا ہے جو مدتوں بے دینی اور اعلیٰ معنوی قدروں کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر والحاد کی مصیبت کو تحمل کرتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان اپنی شخصیت ڈھونڈتا رہا اور یہ چیز اسے عقیدہ کی آغوش میں تدریجاً نظر آگئی۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

تو (اے رسولؐ!) تم باطل سے کترا کر اپنا رخ دین کی طرف کیے رہو وہی دین جو فطرت الٰہی ہے اور لوگ اسی پر خلق کیے گئے ہیں اور خلقت خدا میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی یہی مضبوط اور سب سے استوار دین ہے لیکن بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے (آل عمران/۳۰)۔

ہاں! آج ہم چاہے روشن فکروں کے درمیان ہوں یا ان کے علاوہ کسی بھی گروہ میں ہر میدان میں عظیم اسلامی بیداری کے شاہد ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ رنگ و نسل میں اختلاف کے باوجود قوموں میں مکمل تغیر اور تبدیلی آرہی ہے۔

ملحد بے دین اقوام جو انسانی حقوق کی تھیوری کے قائل ہیں ان میں ہم مطلق آزادی کا اعلان سن رہے ہیں اور انمیں عجیب تضاد دیکھتے ہیں۔ مثلاً وہ ڈرائیونگ کے وقت شراب نوشی کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ان کے دین میں

شراب حرام نہیں ہے خود ان کے بقول حضرت مسیح (نعوذ باللہ من ذالک) نے ان کے لئے شراب بنائی ہے۔ اور اس ممنوعیت کی وجہ وہ ایکسیڈنٹ ہیں جو شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ صرف فرانس میں ڈرائیونگ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے بیس ہزار لوگ اپنی جان گنوادیتے ہیں۔

اگر ہم ان ترقی یافتہ ممالک کے ترقی یافتہ تمدنوں کا مطالعہ کریں اور ان کا اسلامی تمدن کے ساتھ موازنہ کریں تو ایک بہت بڑے فاصلہ اور اختلاف کا مشاہدہ کریں گے۔ ایسا فاصلہ جو زمین وآسمان کے برابر ہے۔ تو کافی ہے کہ امیرالمومنینؑ کے اس خط پر ایک نگاہ ڈالیں جسے آپ نے مالک اشتر نخعی کو بصرہ کا گورنر بنانے کے بعد انھیں تحریر فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی ہر میدان میں ترقی کا اندازہ کرسکیں (۳۳)۔

ایک محقق جب اس عہد نامہ کو دیکھتا ہے تو ان تحریروں کے درمیان بشری تمدن کے اس اعلیٰ مفہوم کو پالیتا ہے جہاں تک ابھی بیسویں صدی کا تمدن نہیں پہنچ سکا ہے۔

اس عہد نامہ میں تمام طرح کے اجتماعی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کے ساتھ معنوی، عبادی، اخلاقی مسائل اور بشری روح وطبائع کی ترتیب کو بھی فرو گذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

مجھے افسوس ہوتا ہے کہ بیشتر مسلمانوں نے نہج البلاغہ کو فراموش کردیا ہے جبکہ یہ کتاب بہت ہی گرانقدر اور عرفانی خزانوں اور علمی حقائق سے پر ہے۔ لیکن مسلمان مغربی کتابوں اور تھیوری کی طرف تیزی سے بھاگتے ہیں اس امید پر کہ اس جھوٹے مغربی تمدن پر گامزن ہوسکیں۔ وہی تمدن جس نے سوائے نکبت، بدبختی اور مصیبت کے کچھ اور غریب سماجوں اور قوموں کے حوالہ نہ کیا۔

اگر ان میں سے کسی ایک سے کہیں کہ: اسلام اور اسلامی شخصیات میں

انسان و انسانیت کے لئے ہر طرح کے بہتر نمونے موجود ہیں تو آپ کو جواب دیں گے۔ اگر اس میں کوئی حقیقت ہوتی تو مسلمان پسماندہ نہ ہوتے؟ وہ پیچھے رہ گئے اور دوسرے آگے بڑھ گئے اور متمدن ہو گئے!؟

یہ اور ان کی طرح کے لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ افسوس! اسلام صرف ایک تھیوری کی صورت میں باقی بچا ہے جس پر عمل نہیں کیا جاتا اور بیشتر شخصیات جو اس پر عمل کرانا چاہتی تھیں ان پر حملہ کیا گیا، شہر بدر کیا گیا، قتل کر دیا گیا یا پھر منبروں سے ان پر لعنت وسب وشتم کیا گیا، شہر بدر کیا گیا قتل کر دیا گیا، ان کی کتابیں، ان کے آثار بوسیدہ و ناشناختہ رہ گئے ان پر تہمتیں لگائی گئیں، ان کے خلاف پروپگنڈہ کیا گیا۔ (۳۴)

حالانکہ امریکہ، جرمنی اور انگلینڈ میں مغربی دانشوروں نے سب سے زیادہ اسلام سے فائدہ اٹھایا ہے اور مسلمان اس بات سے بے خبر ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

ان کے بعد کچھ ناخلف ان کے جانشین بن بیٹھے۔ جنہوں نے نمازیں کھوئیں اور نفسانی خواہش کے اسیر بن گئے۔ عنقریب یہ لوگ (اپنی) گمراہی (کے خمیازے) بھگتیں گے۔ (مریم/۵۹)

ایک روز ان میں سے ایک مجھ سے کہنے لگا۔ اگر اسلامی شخصیات سے تمہاری مراد اہل بیتؑ کے بارہ امامؑ ہیں جیسا کہ کتب میں آیا ہے۔ اور شیعوں نے ان کی امامت کو قبول کیا ہے ان کی پیروی کرتے ہیں اور امور دنیا میں بھی ان ہی کی تقلید کرتے ہیں تو پھر کیوں شیعوں نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ترقی نہ کی اور کسی ایجاد واختراع میں آگے نہ رہے۔

میں نے اسے جواب دیا: شیعہ اثنا عشری جو، ان بارہ اماموں پر ایمان لائے وہ اس درجہ کم تھے کہ جیسے پورے سیاہ لباس میں ایک نقطہ کے برابر سفیدی ہو اور انھیں ہمیشہ قتل کا خوف لاحق رہتا اس لئے کہ صدیوں تک ان کا خون مباح

رہا ہے اور ان کی ناموس کی بے حرمتی کی جاتی رہی ہے۔ اور وہ بدترین روحانی اور جسمانی شکنجوں اور سخت تکالیف میں مبتلا رہے ہیں۔

بلا شبہ اگر کوئی اس طرح کی زندگی گزارے تو ہرگز ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ تو ہمہ وقت پریشانی اور تکالیف سے دوچار رہے اور ہر آن قتل کر دیے جانے کے منتظر رہے۔

اور یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ انسان بھوکا اور فقیر ہو تو ہر چیز سے پہلے اس کی فکر روزی، روٹی حاصل کرنے میں مشغول ہوگی۔ جس سے وہ اپنی حیات کو برقرار رکھ سکے۔ لہٰذا اس صورت میں کیا ہوگا جب اس کی روزی منقطع ہو جائے اور خود وہ اور اس کا کنبہ ایک لقمہ روٹی کے لئے محتاج ہو جائیں؟

لیکن اگر انسان کے لئے سہولتیں فراہم ہوں اور مناسب آسائش زندگی مہیا ہو تو اس کی فکر پرواز کرے گی لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ حکومتیں علماء اور دانشوروں کے لئے ایک خاص اہمیت کی قائل ہوتی ہیں، ان کے لئے مکمل آسائش کے وسائل مہیا کرتی ہیں۔ اور اس راہ میں کافی پیسہ خرچ کرتی ہیں۔ نیز اس کے لئے بجٹ مخصوص کر دیتی ہیں۔ ان کے لئے آزمائش گاہیں، لیباریٹریاں اور مشینری فراہم کرتی ہیں تاکہ وہ باآسانی تجربہ وتحقیق کر سکیں اس کے علاوہ ان کے لئے مختلف کتب خانے فراہم کیے جاتے ہیں اور انکشافات اور جدید مقالوں کا ترجمہ کر کے ان کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ایجاد نہ کریں؟

لیکن شیعہ اس فقر، تنگ دستی اور قتل واذیت کے باوجود علم ودانش کے ہر میدان میں پیش قدم رہے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ یہ مکتب اہل بیتؑ کے پروردہ ہیں۔ اسی مکتب کے جس میں مختلف علوم کے ماہرین فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فقہ وتفسیر کی تدریس کے ساتھ ساتھ میتھ میٹکس، فزکس، کیمسٹری، علم ہیئت کے علاوہ اور بہت سے دیگر علوم

اپنے شاگردوں کو تعلیم فرمائے۔ جن کی اہمیت کا اندازہ جدید دور اور صنعتی انقلاب کے بعد ہوا۔

اس جگہ میں ان مغربی دانشوروں اور مستشرقین کے اس سیمینار کا ذکر کروں گا جو ۱۹۶۸ء میں فرانس کی (اسٹراسبرگ) یونیورسٹی میں امام جعفر صادقؑ اور ان کے علمی دور کی تحقیق میں شیعہ اثنا عشری کی علمی اور تمدنی تاریخ کے موضوع سے منایا گیا۔ جس میں امریکا، انگلینڈ، جرمنی، فرانس، بلجیم، سویزرلینڈ اور اٹلی کے بیسؒ سے زیادہ اہم دانشوروں اور سائنسدانوں نے شرکت کی تھی (۳۵)۔

انھوں نے امام جعفر صادقؑ اور ان کے شاگرد جابر بن حیان کے متعلق سے گفتگو کی اور بتایا کہ جابر بن حیان نے اپنے استاد کے درس علم فلسفہ، طب اور کیمسٹری پر ایک ہزار پانچ سو سے زائد رسالے تحریر کئے۔ اور ابن الندیم نے اپنی فہرست میں اور ابن خلکان نے اپنی کتاب ﴿احوال الامام الصادقؑ﴾ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان دانشوروں نے اس پر اجماع کیا کہ جابر بن حیان نے مختلف علمی نظریات پیش کئے ہیں۔ اور کیمیکل مواد کے علاوہ دیگر ترکیبات جو بم بنانے اور دوسرے امور میں کام آتی ہیں ایجاد کئے اسی طرح اس پر بھی اجماع کیا کہ کیمسٹری کے اسرار و رموز کو جابر بن حیان نے کشف کیا ہے اور وہ اس بات پر بھی قادر تھے کہ معمولی دھاتوں کی کانوں کو سونے، چاندی کی کانوں میں بدل دیں اور اس کے متعلق خود کہتے تھے: میرے استاد جعفر بن محمدؑ نے مجھے علم ودانش کا ایسا باب تعلیم فرمایا ہے کہ میں چاہوں تو پوری زمین کو خالص سونے میں تبدیل کردوں۔

ڈاکٹر محمد یحییٰ ہاشمی جو ہمارے زمانے کے دانشور ہیں انہوں نے بھی ایک کتاب بنام ﴿الامام صادقؑ ملهم الكيمياء﴾ (۳۶) تحریر کی وہ اس میں کہتے ہیں: جس چیز سے ہمیں سب سے زیادہ تعجب ہوتا ہے وہ جابر بن حیان کا وہ دعویٰ

ہے یعنی یہ راز کہ دھاتوں کو تبدیل کرنا اور اجسام کو بدلنا یہ ہر کام میں دخیل ہے اور اگر آج ہم غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ریڈیو ایکٹیو (Radio Active) کے مادہ کی کھوج جس سے ایٹم کا تجزیہ ہوتا ہے اور جو مادہ کی ماہیت میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اور اس کا نتیجہ فقط ایٹمی بم کی ایجاد نہیں ہے بلکہ وہ ایسی جدید توانائیوں کی ایجاد کا منبع بھی ہے جن کا ابھی تک انسانی فکر نے احاطہ نہیں کیا ہے۔

ان سب سے قطع نظر شیعہ تمام علوم میں پیش قدم ہیں۔ جبکہ دیگر تمام مسلمانوں نے صرف فقہ، تفسیر اور اخلاق پر تکیہ کر رکھا تھا۔ اگر چہ ان موضوعات میں بھی شیعوں نے اہم مقام حاصل کیا ہے اور ان کا اولین موجد شیعوں میں سے ہی تھا اور تاریخ نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔ اور جو اس موضوع پر مزید تحقیق کرنا چاہتے ہیں وہ ﴿شیعه وفنون الاسلام﴾ اور مقدمہ کتاب ﴿اصل الشیعه واصولها﴾ کا مطالعہ کریں۔ انھیں یقین ہو جائے گا کہ شیعہ ان ائمہؑ کے زیر قیادت تمام علوم معارف میں دیگر جماعتوں کی بہ نسبت پیش قدم رہے ہیں ان ہی اماموں نے اسرار وعلوم کو شگافتہ کیا ہے اور صحیح معنی میں علم ودانش کی طرف دعوت دینے والے بھی تھے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"بلکہ میں اس علم میں ڈوب گیا جو تم پر پوشیدہ اور پنہاں ہے اور اگر چاہوں تو اسے ظاہر وآشکار کردوں (لیکن) تم اس سے اس درجہ مضطرب اور لرزہ براندام ہو جاؤ گے جیسے کسی گہرے کنویں میں رسی"

(نہج البلاغہ/خطبہ ۵)۔

شیعہ! چند سطروں میں

اواخر کے چند برسوں میں خصوصاً ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد شیعوں کے متعلق کافی بحث چھڑ گئی ہے اور اس وقت مغربی پروپگینڈہ اور عالمی ذرائع ابلاغ نے خصوصاً ایرانی شیعوں کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے، انکو کبھی خدا کے دیوانے اور کبھی قاتل ودہشت گرد کہتے ہیں اور یہی صفات لبنانی شیعوں کے لئے بھی بیان کرتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے بیروت میں امریکی اور مغربی منابع پر حملہ کر کے اسے ختم کر ڈالا تھا۔ اسی طرح ان صفات سے دنیا کے تمام شیعوں کو نواز دیا گیا اور اس سے بھی بالاتر دنیا میں جتنی اسلامی تحریکیں تھیں انھیں بھی یہ القاب دیدیئے گئے، گرچہ ان میں اکثریت سنّیوں کی ہے اور شیعوں سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے۔

مغربی ذرائع ابلاغ اور اسلام دشمنوں کے ان جھوٹے خیالی پروپگنڈوں کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے کہ ممکن ہے ہر دشمن، دوست بن جائے لیکن زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب بعض مسلمان شیعوں کے متعلق اس طرح کی بات کرتے ہیں اور بلا دلیل وبرہان، بغیر کسی تحقیق وجستجو کے دوسرں کی کہی ہوئی باتیں دہراتے ہیں۔

اگر چہ ہم نے اپنی کتاب ﴿الشیعہ هم اهل السنه﴾ (شیعہ ہی اہل سنت ہیں) میں شیعوں کی حقیقی تعریف پیش کی ہے۔ لیکن یہاں بھی شیعوں کے متعلق خدا اور رسولؐ کے ارشادات کا ایک گوشہ پیش کر رہے ہیں۔ پھر ہم موافق ومخالف علماء اور دانشوروں کی باتوں کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوں گے۔

شیعہ! قرآن کریم کی روشنی میں

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ (سورہ البینہ۔۷)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے وہی سب سے بہتر ہیں۔

جلال الدین سیوطی (عظیم اہل سنّت عالم) اپنی معروف تفسیر ﴿الدر المنثور فی تفسیر المأثور﴾ میں اس آیت کی تفسیر یوں تحریر کرتے ہیں:

ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ کیا خدا کے نزدیک فرشتوں کے مقام ومنزلت پر تعجب کرتے ہو؟ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، بہ تحقیق روز قیامت خدا کے نزدیک بندۂ مومن کا مقام فرشتوں سے کہیں بالاتر ہوگا اور اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو:

﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک هم خیر البریة﴾۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:

میں نے رسول خداؐ سے سوال کیا: خدا کے نزدیک سب سے بامنزلت کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہؓ کیا تم اس آیت کو نہیں پڑھتیں:

﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک هم خیر البریة﴾۔

جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں:

ہم رسول خداؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں علیؑ وارد ہوئے تو رسول خداؐ نے فرمایا: جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کی قسم یہ اور اس کے شیعہ روز قیامت کامیاب ہیں۔ اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰٓئک هم خیر البریّة﴾

اس کے بعد جب بھی اصحاب رسولؐ، علیؑ کو آتے دیکھتے تو کہتے خیر البریّة آئے (۳۸)

ابو سعید کہتے ہیں:

علیؑ ﴿خیر البریة﴾ اور لوگوں میں سب سے بہتر ہیں (۳۹)

ابن عباس کہتے ہیں:

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا: بے شک روز قیامت تم اور تمہارے شیعہ خدا سے راضی اور خدا تم سے خوشنود ہے (۴۰)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

رسولؐ خدا نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے خدا کے اس کلام کو نہیں سنا کہ وہ فرماتا ہے:

﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰٓئک هم خیر البریّة﴾

(اس سے مراد) تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ ہمارا وعدہ حوض کوثر ہے اس جگہ ساری امتیں حساب وکتاب کے لئے آئیں گی اور تم اور تمہارے شیعہ خوبصورت اور عزت کے ساتھ وارد ہوں گے (۴۱)۔

جن اہل سنت علماء نے اس تفسیر کو بیان کیا ہے وہ بکثرت ہیں بطور مثال

جلال الدین سیوطی کے علاوہ طبری نے اپنی تفسیر میں حاکم حسکانی نے شواہد التنزیل میں، شوکانی نے فتح القدیر میں، آلوسی نے روح المعانی میں، مناوی نے کنوز الحقائق میں اسے بیان کیا ہے اس طرح خوارزمی نے مناقب میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، شبلنجی نے نورالابصار میں، ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص میں، قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ میں، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں، متقی ہندی نے کنز العمال میں اور ابن حجر مکی نے صواعق المحرقہ میں بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

اس محکم اور معقول دلیل کے بعد کوئی سبب نہیں کہ تحقیق کرنے والے ان بعض تاریخ نگاروں کی بات پر قانع اور مطمئن ہو جائیں جو معتقد ہیں کہ تشیع کی پیدائش امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ہوئی ہے۔

شیعہ آنحضرتؐ کے اقوال میں

رسولؐ خدا نے شیعوں کے متعلق بار ہا گفتگو کی ہے اور ہر مرتبہ ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور انکی پیروی کرنے والے ہی کامیاب ہیں چونکہ انھوں نے حق کی پیروی کی ہے اور حق کی مدد کی ہے، باطل سے دور رہے ہیں اور اسے ذلیل کیا ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ نے تصدیق کی ہے کہ علیؑ کے شیعہ ہمارے شیعہ ہیں۔ ہم اس جگہ اس حدیث پر تکیہ کرتے ہیں جسے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے۔ اور دیگر علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا:

"کیا تم خوش نہیں ہو کہ حسنؑ و حسینؑ کے ہمراہ جنت میں ہمارے ساتھ ہوگے۔ اور ہماری ذرّیت ہمارے پیچھے اور ہماری عورتیں ہماری ذرّیت کے پیچھے اور ہمارے شیعہ ہمارے داہنے اور بائیں ہوں گے۔" (۴۲)

آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ علیؑ اور ان کے شیعوں کو یاد کیا اور فرمایا:

اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ (علیؑ) اور ان کے شیعہ روز قیامت کامیاب ہیں (۴۳)۔

اور یہ فطری بات ہے کہ آنحضرت حق کی پیروی کرنے والوں کو یاد کریں اور ان کی صفات بیان کریں کہ وہ ہر زمانہ میں پہچانے جاسکیں تا کہ مسلمان پوشیدہ حقیقت سے پردہ اٹھا سکیں اور نزدیک ترین راستے سے ہدایت پاسکیں۔

آنحضرتؐ کے ہی پیہم تذکر کے پیش نظر بزرگ اصحاب کے ایک

نے وفات رسولؐ کے بعد علیؑ کی پیروی کی اور بنام شیعہ مشہور ہوگئے۔ ان میں حضرت سلمانؓ فارسی، ابوذرؓ غفاری، عمار یاسرؓ، حذیفہؓ بن یمان، مقدادؓ بن اسود سرفہرست ہیں حتی کہ لفظ شیعہ ان کا لقب بن گیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر مصطفیٰ شیبی اپنی کتاب ﴿الصلة بين التصوف والتشيع﴾ اور ابوحاتم اپنی کتاب ﴿الزينه﴾ میں رقم طراز ہیں۔

ابوحاتم کہتے ہیں:

اسلام میں جس مذہب کا سب سے کم نام ہوا وہ شیعہ ہے اور یہ اصحاب کے ایک گروہ کا لقب بھی تھا جیسے حضرت سلمانؓ فارسی، ابوذرؓ غفاری، عمار یاسرؓ، مقدادؓ بن اسود وغیرہ.....

اس طرح مستشرقین کا یہ شبہ غلط ثابت ہوجاتا ہے جسکی پیروی بعض مسلمان محققین نے بھی کی کہ تشیع کا وجود میں آنا ایک سیاسی مسئلہ تھا جسے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کے سیاسی حالات نے پیدا کیا تھا۔

اسی طرح ان دشمنوں کی نادانی بھی کھل جاتی ہے جو تشیع کو ایرانیوں سے وابستہ کرتے ہیں۔

اس لئے کہ اس سے ان کا جہل وتعصب ظاہر ہوجاتا ہے۔

پھر یہ محققین امام علیؑ کی زندگی میں ان کے اصحاب کے تشیع کی کس طرح تفسیر کرتے ہیں؟ اور یہ کس طرح بیان کرتے ہیں کہ آغاز اسلام اور جنگ جمل وصفین میں کوفہ شیعوں کا مرکز تھا؟

یہ خودغرض دشمن کس طرح بیان کرتے ہیں کہ عربی اور افریقی ممالک میں شیعہ حکومتیں موجود تھیں۔ جیسے شمالی افریقہ میں مراکش، تیونس، مشرق میں مصر وحلب جب کہ اس وقت ایران تشیع سے آشنا بھی نہ تھا۔ اس لئے مراکش میں ادریسیوں کی حکومت دوسری ہجری میں تھی اور تیونس میں فاطمیوں کی حکومت تیسری ہجری کے خاتمہ پر تھی اسی طرح تیسری ہجری کے اواسط میں فاطمیوں کی

مصر پر حکومت تھی ۔اور حلب (شام) اور عراق میں شیعہ حمدانیوں کی حکومت
ہجری میں تھی جبکہ ایران میں صفویوں کی حکومت دسویں ہجری میں قائم ہوئی
بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تشیع کے آغاز کو ایرانیوں سے وابستہ سمجھیں۔

ہم نے اپنی کتاب ﴿پھر میں ہدایت پاگیا﴾ میں ذکر کیا ہے کہ اکثر
سنت علماء اور ائمہ ایرانی تھے۔ اور یہ کہ شیعہ نہ تھے بلکہ شیعوں اور تشیع کی نسبت
شدید تعصب کا اظہار کرتے تھے بس یہی جان لینا کافی ہے کہ اہل سنت
سب سے بڑے مفسر زمخشری ہیں اور وہ ایرانی ہیں اور ان کے سب سے بڑے
محدث بخاری ومسلم بھی ایرانی ہیں اور ابوحنیفہ جنھیں اہل سنت امام اعظم کہتے
یہ بھی ایرانی ہیں ان کا نحوی امام سیبویہ ایرانی ہے۔ امام المتکلمین واصل بن
ایرانی ہے۔ امام لغت، فیروز آبادی (صاحب قاموس المحیط) ایرانی ہے۔ فخر
رازی، ابن سینا، ابن رشد بھی تو ایرانی ہیں اور یہ سب کے سب اہل سنت
علماء اور پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔

اے کاش! اس روز، تمام مسلمان شیعہ ہو جاتے!

عید غدیر نہایت ہی باعظمت اور عظیم عیدوں میں شمار ہوتی ہے۔

دنیا کے مشرق ومغرب میں مسلمان دو عیدوں میں خوشیاں مناتے ہیں۔
پہلی عید، عید فطر ہے جو ماہ مبارک رمضان کے بعد آتی ہے اور دوسری عید، عیدالاضحیٰ ہے جو اعمال حج کے بعد آتی ہے۔

مسلمانوں نے شروع سے لیکر اب تک ان دونوں عیدوں کو محفوظ رکھا ہے اور اس موقع پر تمام عالم میں جشن مناتے ہیں تیسری بڑی عید، جسے ''غدیر'' کہتے ہیں یہ وہی دن ہے جب دین کامل ہوا اور خدا کی نعمت مسلمانوں پر تمام ہوئی لیکن افسوس کہ اس میں انھوں نے اختلاف کیا۔

محققین تاریخ کو اس کا اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی علت وفات رسولؐ کے بعد سقیفہ بنانے والوں کی سیاسی سرگرمیاں تھیں، انھوں نے خدا اور رسولؐ کی جانب نصوص کے مقابل اجتہاد کیا اور اپنی ذاتی رائے پر مسلمانوں سے زبردستی عمل کرایا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں امیر المومنین علیؑ کو ایک طرف کر دیا گیا، گرچہ نصوص کے مطابق وہ واقعی خلیفہ تھے اور ان کی جگہ پر وہ خلیفہ بنا جسے قریش نے اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر چنا تھا۔ وفات حضرت رسولؐ کے بعد یہ سب

سے تلخ واقعہ ہے جو مسلمانوں کے درمیان پیش آیا اور جس نے انھیں مصیبت سے دوچار کیا اور حق و باطل، جاہلیت و اسلام کے درمیان پیکار کی ابتدا کا باعث بنا۔

بے شک یہ آیت کریمہ جس میں خدا فرماتا ہے:
محمدؐ سوائے رسول کے کچھ نہیں ہیں ان سے پہلے بھی رسول بھیجے گئے پس اگر (محمدؐ) اپنی موت سے مرجائیں یا مارڈالے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں (اپنے کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے۔ (آل عمران/۱۴۴)
اس کا عید غدیر سے براہ راست رابطہ ہے۔
رسول خداؐ نے عید غدیر کا جشن منایا جس وقت پروردگار عالم نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ اپنے بعد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنادیں اور امت پر اچھی طرح واضح کردیں۔ چنانچہ حاضرین غدیر کی جب علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت ہوچکی اور آنحضرتؐ نے بھی مبارکباد دے دی اور جبرئل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾ (مائدہ/۳)
آج ہم نے تمہارے دین کو کمال کی منزل پر پہنچادیا تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے بہترین دین وآئین قرار دیا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:
اللہ اکبر! اُس خدا کا شکر جس نے میرے دین کو کامل کیا اور مجھ پر نعمتیں تمام کیں اور میرے بھائی اور چچا کے بیٹے کی ولایت سے راضی ہوا۔
چنانچہ مبارکباد کے لئے اسی روز ایک خیمہ نصب کیا گیا اور حاضرین میں عورتوں اور مردوں میں کوئی نہ بچا جس نے علیؑ کو ان کی ولایت پر مبارکباد نہ دی ہو"۔

لیکن ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے اس الٰہی عید کے عظیم جشن کے ٹھیک دو ماہ بعد امت اپنی بیعت سے پلٹ گئی۔ اور اس عید اور صاحب عید کو بھلا بیٹھی اور ایسے کو اپنے لئے منتخب کرلیا جو خدا کو منظور نہ تھا۔ اور بہانہ کے لئے کبھی بزرگی اور کم سنی کو پیش کرتے تو کبھی کہتے بنی ہاشم کو نبوت جیسا عظیم شرف حاصل ہے لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ خلافت بھی انہیں کے درمیان رہے۔ اور کبھی یہ بہانہ کرتے کہ قریش ہرگز اس شخص کو اپنا امیر نہیں بناسکتے جس نے ان کے بہادروں کو قتل کیا ہے اور ان کے باحیثیت افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور ان کی ناک مٹی میں رگڑ دی ہے۔

ہاں! فرزند ابوطالبؑ کا کوئی گناہ نہیں، اگر ہے تو بس یہی کہ اس نے خدا کی رضا وخوشنودی کی خاطر اپنی جان کی بازی لگادی، اور نصرت دین کی خاطر ہر چیز کو قربان کردیا وہ دین جو اس کے بھائی اور چچا کے بیٹے کا لایا ہوا تھا لہٰذا اُسے کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں، وہ اپنے ارادہ وعزم کا مال دنیا سے معاملہ نہیں کرسکتا۔

میں ہرگز امام علیؑ کے فضائل ومناقب کو شمار نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کی خصوصیات اور امتیازات کی وضاحت کرسکتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اس بات کا پہلے ہی سے علم ہے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے کلمات کے لئے روشنائی ہوں اور اشجار قلم ہوں تو سمندر سوکھ جائیگا لیکن میرے پروردگار کے کلمات تمام نہ ہوں گے۔

اس عظیم شخصیت کی شرافت اور فخر ومباہات کے لئے یہی کافی ہے کہ خدا نے اپنے دین کو ان کی ولایت وامامت سے کامل کیا ہے اور اپنی نعمت کو ان کی خلافت پر تمام کیا اور جن مسلمانوں نے انکی خلافت کو دل وجان سے قبول کیا ان سے خدا خوشنود ہوا۔

آپ کی عزت وفضیلت کے لئے یہ کافی ہے کہ رسولؐ خدا نے آپ کو امام المتقین، مسلمانوں کا سیّد وسردار، مومنین کے لئے امیر اور دین وایمان کا محور ومرکز قرار دیا ہے۔

میں ہرگز اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ عید غدیر کی صحت اور اس کی سچائی پر برہان ودلیل پیش کروں۔ اس لئے کہ پوری امّت اسلامیہ اس واقعہ کی صحت وسچائی پر ایمان رکھتی ہے اور اسے نقل کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صرف شیعہ اس روز جشن مناتے ہیں اور اہل سنّت اپنی خواہش کے مطابق اس کی تاویل کرتے ہیں۔

ہم جشن منانے والوں کی گفتگو سے بھی آگاہ ہوئے، اور تاویل کرنے والوں کی باتوں سے بھی اور ولایت قبول کرنے والوں کے عقیدہ کا بھی مطالعہ کیا۔ انھوں نے واضح نص کے ذریعہ یہ سمجھا کہ امامت اصول دین کی ایک اصل ہے۔ اور ان کے مخالف گروہ کے عقیدہ پر بھی ہم نے بحث کی اور معلوم ہوا کہ انھوں نے نصوص کی تاویل یوں کی ہے: یہ محمدؐ کی اپنے داماد اور چچازاد بھائی کے متعلق سوائے ایک رائے اور نظر کے کچھ اور نہ تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ اس طرح علیؑ کی نسبت ان کے دشمنوں کے دل نرم ہوجائیں!

ہم ان کے پیروؤں کے مطمح نظر سے واقف ہوئے کہ جو فقیر اور نادار افراد تھے چنانچہ مخالفین اور دشمنوں کی حالت کا بھی اندازہ ہوا جو کہ ثروت مندوں اور مستکبروں کا ایک بڑا گروہ تھا اور ان کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ انھوں نے اہل بیتؑ رسولؐ کی حرمت کے ساتھ بھی جنگ کی اور صرف سیدۃ الاوصیاء حضرت علیؑ پر حملہ کرنے پر اکتفانہ کی بلکہ سیّد النساء العالمین حضرت فاطمہ زہراءؑ کی بھی اہانت کی اور خاندان نبوت کے خلاف شدید جنگ کا آغاز کردیا جو ناکثین، قاسطین اور مارقین کی جنگ کی صورت میں تمام ہوئی۔

آخرکار امام کو محراب نماز میں شہید کیا اور شکر کا سجدہ بجالائے۔ ان مخالفین نے اسی پر اکتفانہ کی بلکہ آپ کے دونوں فرزند جو جوانان جنّت کے سردار ہیں انکو بھی شہید کردیا۔ امام حسنؑ کو زہر کے ذریعہ اور امام حسینؑ کو ان کے روشن ستاروں کے ساتھ کربلا میں قتل کرڈالا۔

اس مقام پر سمجھ میں آجاتا ہے کہ عید غدیر اس امت کے لئے امتحان تھی لیکن افسوس یہ متفرق ہوگئی اور اختلاف سے دوچار ہوئی اور اس طرح ٹکڑوں میں بٹ گئی جیسے یہود ونصاریٰ نے اختلاف کیا تھا، رسولؐ اسلام نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی ہم پر واضح ہوگیا کہ امامت جو اصول دین کی ایک اصل ہے کنارے چھوڑ دی گئی اور اس سے نفرت کی جانے لگی۔ اور اسکے اہل افراد سوائے صبر وشکیبائی کے کچھ نہیں کرسکتے تھے اور اس کی جگہ بغیر سوچے سمجھے ایسی جھوٹی امارت کھڑی کردی کہ جس کے شرکو مسلمانوں کے سر سے سوائے خدا کے کوئی اور ختم نہیں کرسکتا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آزاد کئے جانے والے (طلقاء) اور مفسدوں نے بھی اس کی ہوس کرلی۔ اور جس کشتی نجات کو آنحضرتؐ نے درست کیا تھا اور چلنے کے لئے تیار کردیا تھا اس پر کچھ مخلص بندوں کے سوا کوئی سوار نہ ہوا اور تمام مسلمان دنیا کی محبت وریاست کی خواہش میں ڈوب گئے اور جو ائمہ ہدایت اور راہنما تھے ان کو ایسے ہی چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ ایسے خود پسند راہ ومذہب کے پیرو بن گئے جس پر کتاب خدا اور سنّت رسولؐ سے قیامت تک کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔

یہ تھا عید غدیر اور صاحب غدیر کی سرگذشت کا خلاصہ اور غدیر کے بعد جو سازش کی گئی اسے بھی وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ مزید تحقیق کرنا چاہتے ہیں وہ میری دوسری کتاب «سچوں کے ساتھ ہوجاؤ» کا

مطالعہ فرمائیں۔

فی الحال چاہے ہم سنی ہوں یا شیعہ یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم بھی تاریخ کی قربانی ہیں بلکہ ایک ایسی سازش کی قربانی جس کا نقشہ دوسروں نے تیار کیا اور اس کی داغ بیل ڈالی بلا شبہ ہم بھی طبیعت کے مطابق پیدا ہوئے، ہمارے شیعہ یا سنّی ہونے کا سبب اور ہدایت وگمراہی کا باعث ہمارے والدین ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جس گمراہی وانحراف کو چودہ (۱۴) صدیاں بیت چکی ہوں اس کا کچھ برسوں میں ختم ہونا ممکن نہیں ہے اور جو بھی یہ خیال کرتا ہے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ معصوم ائمہؑ نے امام علیؑ سے لیکر امام حسن عسکریؑ تک اپنی پوری توانائی کے ذریعہ امت میں اتحاد پیدا کرنے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کی کوشش کی اور اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کی اور اپنے نونہالوں کو بھی فدا کر دیا تا کہ دین محمدؐ قائم رہے لیکن زیادہ تر لوگوں نے کفران نعمت کیا اور ان سے منہ موڑ کر حق کو پامال کر دیا۔

اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اصلاح کرنے والوں اور سچے مومنین سبھی کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور مسلمانوں کے اتحاد کی تمنا، جہل و نادانی اور اندھے تعصب کے پتھر سے ٹکرا کر رہ گئی۔ قومیتوں کے پہاڑ، گوناگوں نسلیں، اور مختلف حکومتیں، ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کے پس پشت ہمارے دشمن بھی ہیں جن کی محبت ودوستی کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔ وہ رسولؐ کی رسالت کے زمانہ سے لے کر آج تک پوری قوت کے ساتھ ہمیشہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ نور خدا کو خاموش کر دیں۔

اور ان کے پیچھے بھی کچھ اور موقع پرست لوگ ہیں جو سوائے اپنے فائدہ کے اور کچھ نہیں سوچتے بلا شبہ مسلمانوں کا اتحاد ان کے منافع کے لئے بڑا خطرہ

ہے لہٰذا انکی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ لوگوں میں تفرقہ ڈال کر انھیں بانٹ دیں۔

ان کے علاوہ ابلیس ملعون بھی تو بیکار نہیں بیٹھا ہے وہی تو ہے جس نے خداوند عالم سے کہا تھا:

میں یقیناً تیرے بندوں کو راہ راست اور صراط مستقیم سے گمراہ اور منحرف کردوں گا۔ (اعراف/۱۶)

یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وقت کافی گذر چکا ہے چودہ صدیاں بیت گئیں اور ہم سوئے ہوئے ہیں۔ حیران وپریشان ہیں۔ ہماری عقلوں پر دنیا کی زینت وہوس نے غلبہ کر رکھا ہے اور ہماری فکروں کو لاعلاج بیماریوں نے گھیر رکھا ہے۔ لیکن دوسری طرف ہمارے دشمن علم اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے مسلسل ترقی کر رہے ہیں اور ہم سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں، ہمارا خون بہا رہے ہیں، ہماری دولت لوٹ رہے ہیں اور ہمیں ذلت ورسوائی کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم (مسلمان) پسماندہ ہیں۔ ہمیں متمدن بنانا چاہئے۔ ہم وحشی جانور ہیں جسے رام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے سارے راستے بند کر ڈالے گئے اور ہماری سانسوں کو بھی مقید کر دیا گیا حتیٰ کہ اگر ہم میں سے کسی کو چھینک بھی آجائے تو اس کا بھی ہزار طرح سے حساب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مصدر جو کہ زکام یا نزلہ ہے اسے مشخص کرو ایسا نہ ہو کہ انھیں بھی لگ جائے اور وہ بیمار ہوجائیں اور علاج مشکل ہوجائے۔

یہ سب اس لئے ہے کہ جن باتوں کا اسلام نے حکم دیا تھا انھوں نے اس پر عمل کیا اور اسے سیکھ لیا لیکن ہم نے خدا کے بہت سے احکام کو چھوڑ دیا اور ان پر توجہ نہ دی۔ اس سے زیادہ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عقل مندوں کے لئے اشارہ کافی ہے۔

ہاں آج ہم نیند سے اٹھ بیٹھے ہیں لیکن کیسا جاگنا! ہم نے اتحاد کے نغمہ پر

تالیاں بجانا اور ناچنا شروع کردیا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس بات کا معتقد ہے کہ ہم ہی اتحاد کے علمبردار ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ چند کانفرنسوں یا چند نعروں کے ذریعہ امّت میں اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے۔

میں نے جس روز اس دنیا میں آنکھ کھولی اسی روز لفظ اتحاد میرے کانوں سے ٹکرایا اور مدرسہ کے پہلے دن سب سے پہلے اتحاد کی نظم پڑھی لہٰذا اس کے معنی میری رگ و پے میں رچ بس گئے تھے۔ اور جیسے جیسے میں جوان ہوتا جاتا تھا اتحاد کا خواب دیکھتا تھا لیکن آج ہماری عمر پچاس سال سے زیادہ ہوگئی اور اتحاد کی کوئی تصویر اور خیال تک نظر نہیں آیا۔

مسلمانوں کی یکجہتی و اتحاد سے ناامیدی و مایوسی کے بعد میں نے اسی اتحاد پر اطمینان کرلیا تھا جو دو پڑوسی ملک مصر اور شام کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ لیکن جس صبح میں اس اتحاد پر خوشحال ہوا اُسی شب اس پر رویا بھی۔ البتہ دونوں قومیں ساتھ ہیں اور سوائے حکومتی قوانین کی کوئی بھی چیز انکو ایک دوسرے سے جدا نہ کرے گی۔ اور اسی روز ہماری سمجھ میں آیا کہ قوموں کی سرنوشت کچھ گنے چنے افراد کے ہاتھوں میں ہوا کرتی ہے۔ اور وہ جس طرح چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔ لہٰذا اگر انہیں اچھا لگتا ہے تو دو قوموں کو اتحاد پر آمادہ کردیتے ہیں ورنہ ان میں تفرقہ ڈال کر جدا کردیتے ہیں۔ حتیٰ کہ جنگ و خونریزی پر بھی تیار کردیتے ہیں لہٰذا تم دیکھو گے کہ وہی جو کل تک ایک دوسرے کے گلے ملتے تھے اور ایک دوسرے کی پیشانی چومتے تھے آج ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور جنگ میں مصروف ہیں۔

جب دشمنوں کے پاس اس درجہ قدرت و نفوذ ہے کہ وہ ان قوموں کے اتحاد کو اختلاف میں بدل سکتے ہیں جو سینکڑوں سال سے متحد تھیں، اور ان کے اندر رنجش و تناؤ پیدا کرسکتے ہیں جبکہ یہ قومیں باقدرت اور متحد تھیں پھر وہ ان

اسلامی قوموں کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ جو سینکڑوں سال سے اختلاف و پراگندگی کا شکار ہیں اور اب متحد ہونے کی فکر میں ہیں یہ اتحاد ان کے منافع کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے۔ گرچہ یہ قومیں فقر، پسماندگی اور ڈھیروں قرضوں کے نیچے دبی ہوئی ہیں۔

خیر اگر ہم فرض کرلیں کہ اتحاد بھی پیدا ہوگیا تو ہم اس فقیری و جہالت کے ساتھ کیا کرسکتے ہیں اور اگر ہم استعمار کرنے والوں کو ترک کرنے اور چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی فکر میں ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اس طاقت سے بہرہ ور ہوں جو ستمگروں کی جڑ کاٹ دے اور مفسدوں کو نیست و نابود کرسکے لیکن یہ بھی کیسے ممکن ہے ہم تو مسلسل انھی سے ہتھیار خریدے جارہے ہیں جس کا استعمال ملّت اسلامیہ کے زحمت کش فرزندوں اور مسلمانوں کی نابودی کی خاطر ہوتا ہے۔

اگر ہم ایک روز آگے بڑھیں تو وہ ساٹھ سال آگے بڑھ جاتے ہیں اور اگر ان سے مقابلے کے لئے کوئی ایک قوت پیدا کریں تو وہ اس طرح کی ستر (۷۰) قوتیں ہماری نابودی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ جنگ کرنا چاہیں تو انھیں ہمارے مقابلہ میں کوئی خاص زحمت و مشکل نہ ہوگی اس لئے کہ وہ ہمارے دیگر مسلمان اور عرب بھائیوں کو چڑھائیں گے اور ہمیں آپس میں ہی لڑا کر ایک دوسرے کا خون بہانے میں لگا دیں گے اور خود دور سے تماشا دیکھیں گے اور تالی بجائیں گے۔

خلیج فارس کی جنگ ہمارے کانوں اور ہماری آنکھوں سے زیادہ دور نہیں۔ کل ہی تو تھا کہ اس جنگ میں کفار کے صرف کچھ فوجی قتل ہوئے لیکن دوسری طرف لاکھوں مسلمان زندہ درگور ہوگئے۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اسرائیل کو جلا کر راکھ کردوں گا اور بعض نادانوں کو اس کا یقین بھی ہوگیا تھا اور جس نے خود اپنے عوام کو کیمیکل ہتھیاروں کے ذریعہ نابود کرنا شروع کردیا اور

اں کے خائن وظالم فوجیوں سے مسجد اور مقامات مقدسہ بھی محفوظ نہ رہ سکے وہ کفار
ے مقابل۔ بزدلوں اور ڈرپوکوں کی طرح پیچھے ہٹ گیا اور میدان خالی چھوڑ
ا۔ اسلامی جمہوریہ ایران اور اس کے دلاور مردوں نے پوری طاقت وتوانائی،
روجد اور اپنے فرزندوں کے خون کی سنگین قیمت ادا کرکے اور مشرق ومغرب
ی دشمنی، بین الاقوامی ناکہ بندی مول لے کر مسلمانوں کے اتحاد کے لئے قیام
یا۔ اور بالآخر اس کے رہبر اور بانی (آپ پر خدا کی رحمت ہو) نے دنیا سے
ملت فرمائی جبکہ آپ کی جانب سے اسلامی اتحاد کی دعوت پر مسلمانوں کے
لیک نہ کہنے پر آپ کو افسوس تھا۔ اسی طرح جیسے آپ کے جد امام المتقین کو رنج
للال تھا یہ امام خمینیؒ کے جاودانی اقوال کا ایک حصہ ہے آپ نے فرمایا:

﴿اگر مسلمانوں کا ہر فرد مل کر تھوک دے تو اسرائیل ڈوب جائے گا﴾

پھر مسلمان جب تھوکنے تک سے بخل کرے تو اس سے جان و مال کی
ربانی کی امید کہاں رکھی جاسکتی ہے لہٰذا ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان میں سے بہت
ے اسرائیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ حماقت ہوگی
اگر کوئی ان سے اسلامی اتحاد کی امید رکھے۔

کیا آپ بھول گئے ہر روز ۵۰ ہزار فلسطینی، اسرائیلی رحم وکرم کے منتظر
رہتے ہیں اور ہر روز صبح سویرے ذلت و رُسوائی کے سایہ میں کام پر جاتے
ہیں تاکہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے روٹی فراہم کرسکیں۔ اور اگر کسی روز
اسرائیل ان پر اپنے دروازے بند کردے تو وہ بھوک سے مرجائیں گے جیسا کہ
اُخیراً ہوا بھی یہی ہے۔

پھر وہ مسلمان بھائی کہاں ہیں جنھیں اللہ نے دولت سے نوازا ہے؟ اور
اپنی رحمت کے ذریعہ انھیں بے نیاز کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شاہزادہ کے پاس
اتنی دولت ہے کہ وہ ان بیچاروں سے کئی گنا زیادہ لوگوں کو مستغنی کرسکتا ہے جو

اسرائیل سے نہیں لڑتے اور اس کو اپنا ولی نعمت اور روزی دینے والا سمجھتے ہیں۔

خدا کا درود وسلام ہو امام علیؑ پر آپ فرماتے ہیں:

"نزدیک ہے کہ فقر، کفر پر تمام ہو اگر فقر کوئی شخص ہوتا تو میں اسے قتل کر ڈالتا۔"

یہ سچ ہے کہ اتحاد میں طاقت ہے لیکن اتحاد کے ہر عنصر میں طاقت ہونی چاہیے اور اگر تمام عناصر بیمار اور کمزور ہوں تو ان کا اتحاد سوائے مرض وشدت اور بدبختی کے کچھ اور نہ ہوگا۔ وہ کس طرح اتحاد کے لئے تیار ہوگا جو بیماری وبھوک میں مبتلا ہے؟

کن کن باتوں کے متعلق آپ سے گفتگو کروں؟ ان جوانوں کے متعلق جن کے پاس مقابلہ کے لئے پتھر کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہیں ہے اور پتھر بھی ٹوٹ چکے ہیں اس لئے کہ اس وقت بعض لوگ ایسے پتھر کی تلاش میں ہیں جنھیں باندھ کر بھوک سے کچھ نجات حاصل کریں۔ اور عالم یہ ہے کہ اگر ایک اسرائیلی فوجی کسی ایک بچے کے پتھر مارنے کی وجہ سے زخمی ہوجائے تو دسیوں بچوں اور نوجوانوں کو مشین گن اور بم کے ذریعہ حملہ کرکے ختم کرڈالتے ہیں۔

پس عرب ممالک کہاں ہیں جو دسیوں سال سے فلسطین کی آزادی کا وعدہ دوہرا رہے ہیں؟

اور وہ اسلامی ممالک کہاں ہیں جو اسلامی ممالک کی سربراہی کانفرنس کے زیر سایہ جمع ہوئے ہیں اور بیت المقدس کی آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں؟ کیا آپ نے ان ممالک میں سے کسی ایک کو دیکھا جس نے ان جہاد کرنے والے بچوں کی معنوی یا مادّی مدد کی ہو جن کے پاس سوائے پتھر کے کوئی ہتھیار نہیں۔ لیکن ہم اس بات کے شاہد ہیں کہ ان ہی ممالک نے خلیج فارس کی جنگ میں پناہ گاہوں سے کس طرح ہتھیار نکالے اور اربوں ڈالر خرچ کیا اور شور مچایا کہ عراق کو نابود

کردیں گے۔ لیکن درحقیقت انھوں نے سازش کی تھی کہ عراق کے شیعی انقلاب کو کچل دیں۔ اس وقت عراقی اور اسرائیلی حکومت اور دوسری کٹر حکومتیں اپنی جگہ قائم ہیں لیکن شیعہ زندہ درگور ہوگئے۔ اور جو زندہ بچے وہ بیابانوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ لاکھوں بیچارے عراقی، سعودی کیمپوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ اور وہابیت کی ذلت ورُسوائی اور اہانت کے زیر سایہ زندگی بسر کررہے ہیں۔

مجھے افغانستان کے مسلمانوں کے انجام کے متعلق بھی کہہ لینے دیجیے اور دلی بھڑاس نکال لینے دیجئے کہ خدا نے ان پر رحم کیا اور انھیں کفار پر کامیابی بخشی لیکن بعد میں یہ خود ایک دوسرے کی جان کے درپے ہوگئے۔ گھروں کو ویران کرنے لگے، عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالا اور یہ سارے مظالم کفار کے ہتھکنڈوں کے ذریعہ انجام دیئے گئے اور اس وقت بھی جاری ہیں۔

رکیئے! ہم آپ کو یوگوسلاویہ (بوسنیا) کے مسلمانوں کے متعلق بتاتے ہیں۔ کافر قوتوں نے ان پر حملہ کیا اور مشرقی یورپ سے ان کی مکمل صفائی کے درپے ہوگئیں۔

مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت پر بھی گریہ کر لینے دیجیے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کی ناموس کی کس طرح بے حرمتی کی جاتی ہے...... اور کس طرح ان پر حملہ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مسلمان عورتیں حیوانوں کی طرح بازاروں میں خریدی اور بیچی جاتی ہیں!

اتھیوپیا، سومالیا، سوڈان اور افریقی مسلمانوں کے متعلق ہم کیا کہیں روزانہ ہزاروں مسلمان بھوک سے مر رہے ہیں جبکہ مغربی کتے اور بلیاں لذیذ کھانوں سے سیر ہیں!!

مسلمانوں کی آبرو پامال ہو رہی ہے اور پیروں تلے روندی جارہی ہے جبکہ جانوروں کے حقوق کا دفاع کرنے والی تنظیمیں گھاس کی طرح اُگ رہی

ہیں۔

بہت ہو چکا جھوٹ!

بہت ہو چکا فریب!

بہت ہو چکا نفاق!

بہت ہو چکی دو رنگی!

اگر ایک وطن کے جوانوں میں پراگندگی اس طرح پائی جاتی ہو تو پھر تمام مسلمانوں کے اتحاد کے خواہاں ہم کیسے ہو سکتے ہیں؟ بات زیادہ ہے اور کام کم!

۱۹۴۸ء سے لے کر خلیج فارس کی جنگ تک، ایک مختصر نگاہ ہی کافی ہے۔ ہمیں صاف نظر آجائے گا کہ ہمیشہ کامیابی کفار کی رہی ہے اور مسلمانوں کو ناکامی، شکست، نقصان اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ پس اے عقلمندو! خدا کے غضب سے ہوشیار رہو!

کیا یہ کل ہی کی بات نہیں ہے جب ہم کہتے تھے کہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات پیدا نہ کریں گے اور جو کچھ زور اور طاقت کی بنیاد پر لیا گیا اسے زور اور طاقت کی بنیاد پر واپس لیں گے۔ پھر آج کیوں ہم فقیروں کی طرح ان کے پیچھے پھر رہے ہیں اور ان سے گڑگڑا کر التجا کر رہے ہیں کہ ہم سے زبردستی چھینی ہوئی زمین کا کچھ حصہ ہمیں واپس کردو، اور اس میں واسطہ اس کے نزدیکی دوست امریکا کو بناتے ہیں؟!

ہمارے دل تھک گئے اور ہماری عقلیں خبط ہوگئیں اور ہمارے قلوب پراگندہ ہو چکے ہیں۔ نہ اب ہم تمہارے اتحاد کا یقین کریں گے اور نہ ہی اس کامیابی کا جو تمہارے ذریعہ حاصل ہو! اور کیا یہ معقول بھی ہے کہ خلیج کے بادشاہ و امراء اور دیگر مسلمان بادشاہ سلاطین فقیروں، کمزوروں، بے کسوں اور ناداروں کے ساتھ اتحاد کریں؟!

ہاں! ان کا اتحاد صرف کلمہ شہادتیں کہنے میں ہے وہ بھی صرف زبان سے۔ حتی کہ ان کی نماز، روزہ، زکوۃ، حج بھی زبان سے آگے نہیں بڑھتے پھر مشکل کیا ہے؟ بس خطیب نماز جمعہ نے آواز لگا دی کہ اے لوگو! ہمارا خدا ایک ہے، ہمارا رسولؐ ایک ہے، ہمارا قبلہ ایک ہے، پس مسلمانوں تم میں اتحاد ہونا چاہیے......! کتنا آسان ہے یہ نعرہ بلند کرنا کہ ﴿نہ شیعہ، نہ سنی، بس اسلامی اتحاد﴾ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ موجودہ صورتحال کا ٹھیک ٹھیک حساب کرنا چاہیے اور بغیر کسی فریب و دھوکے کے حقیقت سے روبرو ہونا چاہیے۔

ادھر چند برسوں سے ایک نیا نظریہ پیش کیا جانے لگا ہے اور ایک نئی بات کہی جارہی ہے جو گویا ائمہ معصومؑ اور بزرگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ کہتے ہیں کہ: ان احادیث کو بیان نہ کرنا چاہیے جس میں تاریخ کا تذکرہ ہے اس لئے کہ اس سے بعض مسلمانوں کے جذبات بھڑکتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے اور کہنے لگے ہیں کہ شیعہ وسنّی میں سوائے فروع دین کے اور کوئی اختلاف ہی نہیں ہے اور یہ بھی ایسا ہی اختلاف ہے جیسا سنّی فقہوں میں آپس میں اختلاف ہے اس طرح انھوں نے امامت جو اصول دین کی ایک اصل ہے ان سے ہاتھ اٹھالیا۔

جو نتیجہ اس جدید صورت حال سے حاصل ہوا یہ تھا کہ ہمارے دماغ آزاد ہونے کے بعد خشک ہوگئے اور انھیں اب بحث کرکے حق تک پہنچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اور اس کے بعد ہمیں ایک ساتھ رہنا چاہیے دشمن کے سامنے ایک ہوکر کھڑے ہونا چاہیے۔ گویا اس بات سے غافل ہیں کہ ہمارا دشمن خود ہمارے اندر ہے اس نے ہمارے گھروں کو اپنا مسکن بنالیا ہے اور خود ہمارے زیر سایہ پرورش پارہا ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے مارکس اور لینن

کے متعلق بحث کریں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کے سینے پھیل جاتے ہیں۔ اور آپ کو روشن خیال کہنے لگتے ہیں لیکن اگر ابوالحسن، علیؑ اور ائمہ معصومینؑ کے پاک فرزندوں کے نام لیں تو یکا یک دل تنگ اور افسردہ ہوجاتے ہیں کہ تم نے خلفائے راشدین کی توہین کی ہے اور اس سے بھی عجیب و مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اگر دلیل و برہان کے ذریعہ ان کو زیر کردیا اور ان کے لئے سوائے تسلیم کے کوئی راہ نہ چھوڑی تو فوراً اسلامی اتحاد کا نعرہ لگائیں گے اور آپ پر الزام لگائیں کہ آپ مسلمانوں میں اختلاف وافتراق پید کرنا چاہتے ہیں۔

کیا اس پر لعنت بھیجنا چاہیے جو کتاب خدا، سنّت رسولؐ، اور ثقلین کی طرف رجوع کرنے کی بنیاد پر عقیدہ میں اتحاد پیدا کرنا چاہتا ہے اور کیا اس پر مسلمانوں میں اختلاف وافتراق ڈالنے کا الزام لگایا جاسکتا ہے؟

بعض علماء حق کو جانتے ہیں لیکن اسے پوشیدہ کرتے ہیں اور اگر ان سے سوال و جواب کریں تو اس خوف کی بنیاد پر جواب نہ دیں گے کہ کہیں اسلامی اتحاد کے مخالف قرار نہ دے دیئے جائیں۔

لیکن میرا خیال تو یہ ہے کہ حق تک پہنچنے کے لئے صحیح بحث میں کوئی ایسا خطرہ نہیں ہوتا جو اسلامی اتحاد کو نقصان پہنچائے۔ اس لئے کہ جذبات واحساسات کو بھڑکانے سے بڑھ کر تو اور کچھ نہیں ہوسکتا اور یہ صورت بھی بحث کے آخر میں حق کے واضح ہوجانے کے بعد آتی ہے۔

لیکن وہ خطرہ کہ جس سے بڑا خطرہ کوئی اور نہیں ہوسکتا یہ ہے کہ ہم منہ پر لگام لگادیں اور لوگوں کو بحث وجستجو سے روک دیں اپنی عقلوں کو معطل کردیں اور حق تک پہنچنے سے روک دیں۔ صرف اس لئے کہ اتحاد کے خواہاں ہیں! یہ وہی کام ہوگا جو عراق کی بعث پارٹی نے سنی وشیعہ میں تفرقہ ڈالنے کے لئے کیا تھا پس اس سلسلہ میں ہر گفتگو منع ہے تاکہ اہل سنّت حضرات بات کی حقیقت کو نہ پہنچ

تکی۔

اور یہ بھی وہی کام ہے جسے سب سے پہلے خلفائے راشدین نے انجام دیا اور لوگوں کو نیزہ کی نوک پر رسول اسلامؐ کی احادیث نقل کرنے سے روکا لہٰذا حقیقت بہت سے مسلمانوں پر پوشیدہ ہوگئی۔ انھوں نے عید غدیر کو نہ پہچانا۔ انھیں نہیں معلوم کہ عید غدیر کیا ہے؟ وہ نہیں جانتے کہ اس روز کیا ہوا؟

چنانچہ یہود ونصاریٰ نے ان پر ملامت کی اور کہا اگر آیت

﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾

ہمارے متعلق نازل ہوئی ہوتی تو اس روز ہم سبھی عید مناتے اور اس میں ایک آدمی بھی اختلاف نہ کرتا۔ اور صحابہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

اور ایک گروہ پیدا ہوا ہے جو امیر المومنینؑ کے کلام سے استدلال کرتا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

"جب تک مسلمانوں کے امور ٹھیک ہیں میں بھی خاموش رہوں گا، رہنے دو صرف مجھ پر ستم ہوتا رہے۔" (نہج البلاغہ/خ ۷۴)۔

لیکن یہ بھول گئے ہیں کہ خود حضرت نے غدیر کے واقعہ کو زندہ کیا جبکہ لوگوں نے اسے مکمل طور پر بھلا دیا تھا۔ اور تیس افراد جو اس واقعہ کے شاہد تھے ان کو گواہ بنایا اور جن لوگوں نے ان کو چھپایا ان پر نفرین کی۔ اسی طرح ان کے دونوں فرزندوں نے بھی حج کے موقع پر زائران خانہ خدا کے سامنے اس اہم تاریخی واقعہ کو بیان کیا اور جشن منایا۔ کیا امیر المومنینؑ نے نہیں فرمایا:

نفرین نہ کرو اور ناسزا بھی نہ کہو لیکن یہ یاد دلاؤ کہ انھوں نے کیا، کیا، کیا؟ تاکہ حجت مکمل ہو جائے اور استدلال پوری طرح واضح و روشن ہو جائے" (بحار الانوار ج ۳۲، ص ۳۹۹)۔

لہٰذا ہمیں امیر المومنینؑ کی اقتدا کرنی چاہیے اور ان کی پیروی کرنی چاہیے نہ کہ صرف تسلیم ہو جانے کا تذکرہ کریں جیسا کہ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ:

ہم آسمانی کتاب کی بعض آیتوں کو تو قبول کریں گے لیکن بعض کو قبول نہ کریں گے (نساء/ ۱۵۰)۔

لہٰذا جو نہج البلاغہ کو دلیل بنا کر ہم پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں انھیں پوری کتاب اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ قبول کرنا چاہیے۔ نہ کہ صرف کچھ جملے جو ان کی نفسانی خواہشات کے ساتھ سازگار ہوں اسے دلیل بنا کر اعتراض کریں۔ مثلاً نہج البلاغہ میں جس جگہ بھی کسی مجہول شخص کی تعریف ہوئی ہے فوراً کہنے لگتے ہیں کہ حضرت کا یہ کلام حضرت فاروقؓ کے متعلق ہے اور آپ نے ان کی تعریف و مدح کی ہے!

لیکن انھیں سے جب کہیے کہ ﴿خطبۂ شقشقیہ﴾ جس میں امامؑ نے خلفاء پر شدید اعتراض کیا ہے اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ تو کہیں گے یہ شریف رضی کا جھوٹ ہے جس کا حضرت علیؑ سے کوئی ربط نہیں! البتہ یہ حضرت علیؑ کو دوست رکھتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ آنجنابؑ نے خلفاء کی اطاعت میں کوتاہی نہیں کی! یہ ان کے لئے دعا بھی کرتے ہیں۔ لیکن انھیں یہ یاد نہیں کہ علیؑ نفس رسولؐ ہیں اور قلب علیؑ قلب محمدؐ ہے۔ پروردگار عالم نے ان سے رجس وکثافت کو دور کیا ہے اور انھیں طاہر ومطہر قرار دیا ہے انھوں نے یہ بھلا دیا ہے کہ علیؑ اصل کے عین مطابق ایک نسخہ ہیں۔ وہی اصل جسے پروردگار عالم نے خلق عظیم سے تعبیر کیا ہے اور اس کی توصیف کی ہے اور اسی طرح اہل بیتؑ کے قلوب حسد وجلن سے خالی ہیں اور ان کے یہاں بغض وکینہ کا گذر نہیں ہے (۴۴) لہٰذا یہ رسولؐ تھے اور وہ رسولؐ کے وصی یہ بالفاظ دیگر محمدؐ نذیر وبشیر تھے تو علیؑ ہادی اور راستہ دکھانے والے، محمدؐ نے تنزیل پر جنگ کی تو علیؑ نے تاویل وتفسیر پر جنگ کی۔

یہی سبب تھا کہ اللہ نے علیؑ کو چنا اور اپنی امامت کے لئے علیؑ کو منتخب کیا

ایسی امامت جس پر اپنے دین کو مکمل کیا اور نعمت کو تمام کر دیا اور اس عظیم ہستی کے اکرام و احترام کے لئے تاج پوشی امامت کے دن کو عید اکبر قرار دیا۔

ہاں! علیؑ نے صبر و خیر خواہی کے ساتھ ایک روز بھی اپنے حق پر سکوت اختیار نہ کیا۔ خود آپ لوگ اپنی صحیح میں تحریر فرماتے ہیں۔ علیؑ چھ ماہ تک بیعت کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس مدت میں واضح اور روشن دلیلوں کے ساتھ (غاصبین حقوق) پر احتجاج کرتے رہے اور اپنے حق کا دفاع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ سے کہا:

"ایسا دودھ دوہو کہ اس کا آدھا تمہارا ہو۔ آج اس کے لئے زیادہ محنت کرو تا کہ وہ خلافت کل تمہارے حوالے کردے"

(الامامۃ والسیاست/ ج ا، ص ۱۸۔ انساب الاشراف ج ا، ص ۵۸۷)

خود آپ لوگوں نے روایت کی ہے کہ وہ اپنی زوجہ حضرت فاطمہ زہراءؑ کے ساتھ باہر جاتے اور انصار سے ملاقات کرتے لیکن وہ معذرت کے ساتھ کہتے:

"اے رسولؐ خدا کی نور چشم اگر آپ کے شوہر اور (آنحضرتؐ) کے چچا زاد بھائی ہمارے پاس پہلے آتے (اور ہم سے مدد چاہتے) تو ہم سوائے ان کے کسی اور کو خلافت کے لئے منتخب نہ کرتے"۔

اور ان کے جواب میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

کیا یہ صحیح ہوتا کہ میں رسولؐ خدا کے جسم کو بلا غسل و کفن چھوڑ دیتا اور (سقیفہ چلا جاتا) اور خلافت کے مسئلہ میں لوگوں سے جھگڑا کرتا؟

اور جناب فاطمہؑ فرماتی ہیں:

"ابو الحسنؑ نے جو کچھ کیا وہ ان کا فریضہ تھا لیکن جو کچھ ان لوگوں نے کیا اس کا حساب انھیں خدا کے یہاں دینا ہوگا" (الامامۃ والسیاست/ ج ا، ص ۱۹ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، ص ۱۳)۔

وہ علیؑ ہی تو تھے جنھوں نے دل سوز آہ و نالہ کے ساتھ اپنی زوجہ کو رات کے وقت سپرد خاک کیا اور رسول خداؐ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے خدا کے رسولؐ آپ پر سلام ہو اور آپ کی بیٹی پر بھی جو آپؐ کے بغل میں محو آرام ہیں۔ وہ آپ کو بتائیں گی کہ آپ کی امت نے کس طرح ہمارے خلاف شورش کی اور ہمارے حق کو غصب کیا۔ اے رسولؐ خدا آپ ان (فاطمہؑ) سے کچھ نہ پوچھئے تو ان کی حالت دیکھئے" (آپ خود سمجھ جائیں گے کہ ان پر کیا گذری ہے۔) (نہج البلاغہ/ خ ۲۰۵)

وہ علیؑ ہی تو تھے جنھوں نے خلافت کے لئے دو خلیفہ (حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ) کی سنت کو قبول کرنے کی شرط سے انکار کر دیا اور قبول نہ کیا۔ یہ سب کیا ان لوگوں اور ان کی حرکتوں سے حضرتؑ کی رضامندی کی دلیل ہے؟!

وہ علیؑ ہی تو تھے جنھوں نے خلافت سے انکار کر دیا اور جب ان کو مجبور کیا گیا تو بھی قبول نہ کیا یہاں تک کہ ۳۰ آدمیوں نے غدیر کے واقعہ کی گواہی دی اور اعتراف کیا کہ علیؑ رسولؐ خدا کی جانب سے تمام مسلمانوں کے لئے خلیفہ معین ہوئے تھے اور آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

"جس کے مولا علیؑ نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔"

اس طرح علیؑ نے غدیر کی واقعہ کی یاد اس وقت تازہ کی جب اسے پوری طرح فراموشی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ لیکن افسوس کہ اس کے باوجود بہت سے مسلمان اس واقعہ سے بے خبر ہیں۔ اور اس واقعہ پر یقین نہیں کرتے۔ علیؑ کا یہ کردار صرف اس بنیاد پر تھا کہ امام علیؑ کی شجاعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ حق کے اوپر خاموشی اختیار کی جائے۔

میں ان لوگوں سے عرض کرتا ہوں کہ امام علیؑ کی شجاعت رسولؐ خدا کی شجاعت سے بڑھ کر نہیں ہے، علیؑ خود فرماتے ہیں:

جب بھی آتش جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے اور لڑائی شدت اختیار کر لیتی میں رسول خدا کی پناہ میں آجاتا تھا" (نہج البلاغہ)۔

لیکن اس کے باوجود آنحضرتؐ نے اپنے حق کے متعلق سکوت اختیار کیا اور مشرکین کے سامنے اسلام کی مصلحت کے لئے نرمی اختیار کی اور ان کی شرطوں کو قبول کیا حتیٰ کہ بعض اصحاب نے آنحضرتؐ پر ذلت قبول کرنے کا الزام لگایا۔

اور ایک شخص نے تو یہاں تک کہا:

"کیا واقعاً تم رسولؐ خدا ہو؟

(مسند احمد ج ۴/ص ۳۳۰۔ صحیح بخاری ج ۳/ص ۲۰۶)۔

امام حسنؑ نے مسلمانوں کے خون کے حفاظت کے لئے جس وقت معاویہ سے صلح کی تو اس وقت آپ پر بھی یہی تہمت لگائی گئی اور ﴿یا مذل المومنین﴾ (اے مومنین کو ذلیل کرنے والے) کہا گیا۔

لہٰذا عید غدیر حق وباطل کے درمیان ایک مرکز ہے۔ عید غدیر نے دین کے کمال کو نمایاں کیا عید غدیر نے شورش کرنے والوں کے خلاف خدا کے غضب کو ظاہر کیا، عید غدیر نے خدا کی اس امامت کو ظاہر کیا جسے اس نے اپنے برگزیدہ بندوں میں قرار دیا تھا۔

عید غدیر نے اس غصب کی ہوئی خلافت کو واضح کیا جسے رہا ہونے والوں (طلقاء) اور مفسدوں نے لباس کی طرح پہن لیا تھا۔

میں جب بھی شہید سعید آیت اللہ باقر الصدرؒ کی بات کو یاد کرتا ہوں تو ایک لحظہ بھی تردید نہیں کرتا کہ اہل بیتؑ کے حق سے دنیا کو روشناس کرانا چاہیے۔

وہ اپنے قریبیوں سے ملاقات کے وقت فرماتے تھے:

جس وقت تیجانی کا خط مجھے ملا انھوں نے مجھے خوشخبری دی کہ ہمارے بھائیوں نے اس خطے میں پہلی مرتبہ عید غدیر کا جشن منایا ہے تو میں نے گریہ کیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ انھوں نے اس خطے میں شیعیت کا بیج

بو دیا۔

حاضرین نے اس وقت یہ سمجھا کہ آیت اللہ شہید کا گریہ خوشحالی کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مومنین کے ایک گروہ نے ہدایت پائی۔ لیکن برسوں بعد میری سمجھ میں آیا کہ آنجناب کا گریہ اس ظلم وستم کی وجہ سے تھا جو امیر المومنینؑ اور عترت پاک علیہم السلام پر روا رکھا گیا۔ اس لئے کہ ان پر ظلم، اسلام اور تمام مسلمین پر ظلم ہے۔ گویا آیت اللہ شہید اس پر رو رہے ہیں کہ اکثر مسلمان عید غدیر سے ناواقف ہیں اور ان کے کانوں تک یہ بات نہیں پہنچی ہے اور وہ خداوند عالم کے نزدیک اس کی قدر و قیمت کے متعلق لاعلم ہیں۔

عید غدیر کے متعلق اس مختصر بحث کے بعد ضروری ہے کہ اس پر میں اپنی رائے بیان کروں، البتہ یہ خود میری رائے نہیں ہے بلکہ خود کتاب وسنت کا اتباع ہے، ورنہ ہماری اور لوگوں کی رائے کتاب وسنت کی رائے کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ اتحاد اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک ایک محکم اور معقول اساس نہ ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب لوگ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اس لئے کہ رسول خداؐ فرماتے ہیں: اگر (مسلمانوں نے) دین میں اختلاف کیا تو ابلیس کے گروہ کا حصہ بن جائیں گے۔ اور رسولؐ خدا نے ہی اتحاد کی بنیادوں کو واضح کیا اور فرمایا:

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر ان دونوں سے تمسک کرو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ (وہ دو چیزیں) کتاب خدا اور میری عترت، میرے اہل بیتؑ ہیں اور اس لطف کرنے والے اور خبر رکھنے والے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں"۔

پس جو بھی ان دونوں سے تمسک کرے گا وہ ایسے اتحاد کا خواہاں ہے جس کو خدا اور رسولؐ چاہتے ہیں اور اگر کوئی اس سے دوری اختیار کرے تو وہ دانستہ یا نہ دانستہ طور پر لوگوں کو تفرقہ کی دعوت دینے والا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ اتحاد و توحید کا رہبر ہے، تو سمجھ لو کہ ایسے شخص کا دعویٰ غلط اور باطل ہے۔ ہاں! صرف اس صورت میں صحت کا امکان ہے جب وہ ﴿ثقلین﴾ کی طرف واپس آجائے۔

شاید وہ بات جو اہل سنت حضرات میں سے کسی عالم نے مجھ سے کہی اتحاد کی دعوت کرنے والوں کی صدق نیت پر دلالت کرتی ہے، وہی کہ جن کی آل محمدؐ علیہم السلام سے محبت و دوستی میں کسی بھی مسلمان کو شک نہیں ہے۔

اس عالم نے مجھ سے کہا:

> ہم ہرگز تم سے اتحاد نہ کریں گے۔ ہاں! مگر اس وقت کہ جب تمہاری آیت اور معجزہ ظاہر ہوجائے۔ ہم نے کہا: کیسی آیت؟ جواب دیا: مہدیؑ، وہی جن کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو کہ زندہ ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اگر وہ آجائیں تو ہم تم سے اتحاد کریں گے اور تمہارے عقیدے کا یقین کریں گے۔

یہ ایک دردناک نتیجہ ہے لیکن بہرحال ایک ایسا حق ہے کہ جس سے راہ فرار نہیں۔ کیونکہ حقیقت بھی یہی ہے یہ امت ہرگز متحد نہ ہوگی مگر اس وقت جب حضرت مہدیؑ ظہور فرمائیں۔ اور اگر ہم یہ خیال کریں کہ ظہور امامؑ کے وقت اکثر اہل سنت، اہل بیتؑ کی طرف آجائیں گے تو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ امت کے درمیان ہمیشہ کچھ ایسے افراد ہوں گے جو تادم مرگ دشمنی اور انکار کرتے رہیں گے۔ یہ حضرت مہدیؑ کے اجداد اور ان کے شیعوں کے دشمنوں کے ساتھ رہیں گے۔ اور جو ظلم ان مقدس ہستیوں پر ہوئے ہیں یہ اس پر خاموش رہیں گے۔ یا ان کے قاتلوں کے ساتھ ہم آواز ہوجائیں گے۔ اور جو کچھ انھیں ورثہ میں ملا

ہے اس کی پیروی کرتے رہیں گے۔ ابن عمر کے مانند جو یزید کے خلاف حسین بن علیؑ کے انقلاب اور ان کی تحریک پر معترض رہتے تھے۔ (البدایہ والنھایہ ج۸/ص ۱۶۳)۔

جس وقت اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے انکار کردیا تو یہ ان سے جدا ہوگئے اور اپنے بچوں اور گھر والوں کو حکم دیا کہ یزید کی بیعت پر باقی رہیں اور اہل مدینہ کی پیروی کریں (البدایہ والنھایہ ج۸ ص۲۱۸)۔

گویا ان کے دین کی بقا و سلامتی یزید حجاج، صدام جیسے ظالم حاکموں کی نسبت جہاد (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) میں نہیں ہے بلکہ ان کے لئے اہم یہ ہے کہ اطاعت حاکم میں ذرہ برابر فرق نہیں آنا چاہیے اور جماعت مسلمین سے کٹنا نہیں چاہیے۔ خواہ ایسے ظالم حکومت کرتے ہیں۔

اور آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ سعودی دربار کا مفتی (بن باز) یہ اعلان کرتا ہے کہ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ مفسد اور مشرک ہیں اور ان کے یہاں شادی بھی نہیں کی جاسکتی لیکن یہی مفتی (بن باز) غیر ملکی اور غیر مسلم فوجوں کا سعودی عرب میں استقبال کرتا ہے اور انھیں خیر مقدم کہتا ہے۔ اور امریکی فوجی عورتوں کے دریا میں نہانے اور (سن باتھ) کرنے کی برہنہ تصویروں پر کوئی ردعمل پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اسلامی ملک میں ان کی پوری آزادی کا خیال رکھا جاتا ہے یہی مفتی اسرائیل کے ساتھ صلح کو کار خیر کہتا ہے۔

والیان آل سعود کی اطاعت کا نتیجہ یہی تو ہے!!

پھر ہم کس طرح امام مہدیؑ کا آمد کے منتظر نہ رہیں۔ اور کیونکر آپ کے ظہور میں تعجیل کی خدا سے دعا نہ کریں کہ آپ آکر عدل کو عام کریں اور زمین سے ظلم و ستم کو مٹا ڈالیں۔

اس بحث کے آخر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جمہوری اسلامی ایران کی بنیاد

رکھنے والے امام خمینیؒ کے خط کا ایک حصہ یاد دلاؤں اور اس کے ذریعہ ان لوگوں کے راستے بند کردوں جو اتحاد کی خاطر سنی وشیعہ کی بحث کی حرمت کے قائل اور مدعی ہیں۔

اس بزرگ ہستی نے اپنی وصیت کا آغاز حدیث ثقلین سے کیا اور حدیث کی شرح وتفسیر کے بعد اس طرح فرمایا:

> یہ مسلم ہے کہ رسول اکرمؐ کی ان دو امانتوں پر سرکشوں کی جانب سے جو ظلم ہوا ہے وہ صرف امت مسلمہ پر نہیں. بلکہ بشریت پر ہے جسے قلم بیان کرنے سے عاجز ہے اور اس نکتہ کر ذکر ضروری ہے کہ حدیث ثقلین تمام مسلمانوں کے درمیان تواتر کے ساتھ موجود ہے اور اسے اہل سنت کی صحاح ستہ سے لے کر دوسری کتابوں نے الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ مختلف جگہوں پر پیغمبر اسلامؐ سے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ حدیث شریف تمام بشریت اور خصوصاً مسلمانوں کے تمام فرقوں پر قطعی حجت ہے۔ اور تمام مسلمان، جن پر حجت تمام ہوگئی ہے۔ جوابدہی کے لئے تیار ہوجائیں۔ جاہل عوام کے لئے عذر ہوسکتا ہے لیکن علماء مذاہب کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔

اس کے بعد امام خمینیؒ ان سازشوں کے مختلف حصوں کو بیان کرتے ہیں۔ جن کے ذریعہ قرآن وعترت کو نشانہ بنایا گیا اور سرکشوں نے قرآن کو قرآن کی دشمن حکومتیں قائم کرنے کا وسیلہ بنایا۔ گرچہ رسولؐ خدا کی ﴿انی تارک فیکم الثقلین﴾ کی آواز گونجتی رہی اور کانوں تک برابر پہنچتی رہی۔ لیکن مختلف بہانوں اور پہلے ہی سے تیار سازشوں سے انھوں نے کوشش کی کہ قرآن کے حقیقی مفسرین، اس کے حقائق سے آگاہ افراد اور رسول اکرمؐ سے مکمل قرآن حاصل کرنے والوں کو راہ سے ہٹادیں۔

اور پھر امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

ہمیں اس بات پر فخر ہے اور سرتا پا قرآن واسلام کی پابند عزیز ملت بھی افتخار کرتی ہے کہ وہ ایسے مذہب کی پیرو ہے۔ جو ان حقائق قرآنی کو جو صرف مسلمانوں کے اتحاد ہی نہیں بلکہ پوری بشریت کا دم بھرتا ہے...... نجات دینا چاہتا ہے۔

ہمیں افتخار ہے کہ ہم ایسے دین کے پیرو ہیں جس کی بنیاد حکم خدا سے رسولؐ نے ڈالی اور امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ جیسا بندہ جو تمام قیدوں سے آزاد تھے بشر کو ہر طرح کی غلامی اور اسیری سے نجات دلانے کے لئے مامور کئے گئے۔

ہمیں فخر ہے کہ قرآن مجید کے بعد نہج البلاغہ معنوی اور مادی زندگی کے لئے سب سے بڑا دستور العمل اور بشر کی رہائی کے لئے عالی ترین کتاب ہے اور اس کے معنوی وحکومتی احکام ہماری نجات کا سب سے بڑا راستہ ہیں ہمارے معصوم اماموں کا سرمایہ ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ معصوم ائمہ علی بن ابی طالبؑ سے لے کر بشریت کے نجات دہندہ حضرت مہدیؑ صاحب الزمان (آپ پر ہزاروں درود وسلام) جو خداوند قادر کی قدرت سے زندہ اور امور کے نگراں ہیں ہمارے امام ہیں۔

اور پھر اپنی وصیت کے آخر میں فرماتے ہیں:

میں پورے عجز وانکسار کے ساتھ پوری ملت اسلامیہ سے چاہتا ہوں کہ وہ ائمہ اطہارؑ کی پیروی کریں۔ اور حق ومذہب کے دشمن خناسوں کی بات پر کان نہ دھریں اور یہ جان لیں کہ گمراہی کا ایک قدم مذہب، احکام اسلامی اور حکومت عدل الٰہی کے سقوط کا مقدمہ ہے۔ من جملہ نماز جمعہ اور جماعت سے غفلت نہ کریں۔ اور ائمہ اطہارؑ کے مراسم عزاداری خصوصاً مظلوموں کے سردار سید الشہداء، حضرت ابی عبد اللہ الحسین (آپ کی شجاعانہ روح پر خدا، انبیاء، ملائکہ اور صلحاء کی بے

شعار صلوات) کی عزاداری میں کوتاہی نہ کریں۔ اور یہ جان لیں کہ اسلام کی تاریخ کی اس بے مثال روداد کی تکریم وتجلیل اور اہل بیتؑ کے اوپر ستم کرنے والوں پر لعنت ونفرین سے متعلق ائمہ اطہارؑ کا جو حکم ہے یہ ابد تک کی تاریخ میں ظالم وستمگر حکام کے سروں پر تمام ملتوں کے سور ماؤں کی آواز ہے۔ اور یہ جان لو کہ بنی اُمیہ (لعنۃ اللہ علیہم) کے ظلم پر لعنت ونفرین کی آواز (اگر چہ انکی نسل ختم ہوئی اور وہ جہنم واصل ہوگئے) دنیا کے تمام ستمگروں کے خلاف ظلم شکن آواز ہے۔

اور ضروری ہے کہ اپنے نوحہ، اشعار، مرثیہ، مدح، جو ائمہ اطہارؑ کی شان میں پڑھتے ہیں اس میں ہر عصر و ہر زمانہ کے ستمگروں کے ستم وظلم کو رسوا کن انداز میں نظم کیا جائے۔ یہ زمانہ اسلام کی مظلومیت کا زمانہ ہے پس امریکہ اور روس اور ان کے حاشیہ نشینوں من جملہ آل سعود، حرم الٰہی کے خائن (ان پر خدا، رسولؐ اور ملائکہ کی لعنت ہو) ان کا رسوا کن انداز میں تذکرہ ہو اور ان پر لعنت ونفرین ہو۔ اور ہم سبھی کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو چیز مسلمانوں کے اتحاد کا باعث ہے یہی سیاسی مراسم عزا ہیں اور یہی مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی ملت و اتحاد کے محافظ ہیں۔

اور ایک نکتہ جس کی یاد آوری ضروری ہے یہ ہے کہ میری یہ سیاسی والٰہی وصیت ملت ایران سے مخصوص نہیں بلکہ یہ وصیت دنیا کی تمام اسلامی ملتوں اور ہر مذہب وقوم کے مظلوموں کے لئے ہے۔

اے میرے بھائیو! یہ امت کے رہبر کی وصیت ہے جو ظالموں کے ظلم وستم کو یاد کرنے کے ساتھ ان پر لعنت ونفرین کو واجب قرار دیتا ہے۔ پس اگر کوئی ادعا کرتا ہے کہ امامؒ نے اسے حرام جانا ہے تو اس کا دعویٰ باطل ہے جس کی کسی بھی عقلی ونقلی دلیل سے توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

آخر میں تمام مسلمانوں کے لئے اعلان کرتا ہوں کہ اگر وہ واقعی اتحاد کے قائل ہیں تو کشتی نجات پر سوار ہوجائیں۔

اسی لئے حضرت نوحؑ نے خدا کے حکم سے ایک چھوٹی کشتی بنائی جو صرف حقیقی مومنوں کے لئے گنجائش رکھتی تھی۔

پیغمبر اسلامؐ نے بھی خدا کے حکم سے ایک بڑی کشتی بنائی جو تمام امتوں کے لئے گنجائش رکھتی ہے اور تمام مومنین اس پر سوار ہوسکتے ہیں۔

اہل بیتؑ صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ خدانے انھیں تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

خدا ہمیں اسلام و مسلمین کی خدمت کی توفیق دے نیز امیر المومنینؑ اور ان کے معصوم فرزندوں کی ولایت کا دم بھرنے والوں میں قرار دے۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمدللّٰه ربّ العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ اشرف المرسلين سيّدنا ومولانا محمد وآله الطيبين الطاهرين﴾

ہدایت کے لئے جدو جہد

خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

البتہ اس شخص کے لئے میری مغفرت اور بخشش زیادہ ہے جو توبہ کرے، مجھ پر ایمان لائے اور نیک بن جائے۔ (طٰہٰ/۸۲)

یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ توبہ، ایمان اور نیک عمل خدا کی خوشنودی ومغفرت کے لئے کافی نہیں بلکہ ہدایت بھی ساتھ ہونی چاہیے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

خداوند عالم کسی کی مغفرت نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ توبہ کرے، ایمان لائے، نیک بن جائے، اور اہم اہل بیتؑ کی ولایت سے ہدایت پائے۔
(بحار الانوار/ج ۲۷/ص ۱۷۶/ح ۲۲)

اس بنا پر ہدایتِ تکوینی اور ہدایتِ تشریعی دو مترادف خط ہیں اور ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ تکوینی ہدایت اللہ کی جانب سے ایک احسان ہے جو اس نے اپنی تمام مخلوقات پر کیا ہے اور تمام بندوں کے شامل حال ہے۔ وہ خود قرآن میں فرماتا ہے:

قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا اور پھر اسے اس کے اچھے، برے کی تمیز سمجھادی۔ (شمس/۷)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

اور ہم نے اسے (یعنی انسان کو) راہ دکھادی اب چاہے وہ شکر گزار ہو یا سرکش بن جائے۔ (انسان/۳)

لیکن تشریعی ہدایت سے مراد وہ تلاش وکوشش ہے جو خود انسان انجام دیتا ہے اور بحث وتجربہ کے بعد عقلی دلائل کی بنیاد پر حق وباطل میں تشخیص دے لیتا ہے اور اس سیدھی راہ کو اختیار کر لیتا ہے جس سے دور تھا۔ خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

ان بندوں کو بشارت دو جو باتوں کو سنتے ہیں اور سب میں اچھی بات کو اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی اور یہی عقل مند ہیں۔ (زمر/۱۷،۱۸)

مذکورہ آیات کا مفہوم یہ ہے کہ جو بندہ سوچتا ہے باتوں پر کان دھرتا ہے، تمام آراء اور نظریوں میں سے بہترین کو اختیار کر کے حق کی پیروی کرتا ہے وہ خود اپنے اختیار سے اصل ہدایتِ تکوینی کی طرف پلٹ آیا ہے اور اس بات کا مستحق بنا ہے کہ خدا اسے عقل مند کہے۔

ہدایتِ تکوینی اور ہدایتِ تشریعی کی تفسیر کے لئے سب سے بڑی مثال وہ واقعات ہیں جو امت مسلمہ کے درمیان رونما ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ وہ امت جس کی خدا نے ہدایت فرمائی اسے تاریکی سے روشنی میں لایا اور سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی تاکہ وہ اس پر گامزن ہو۔ اور جب اس نے دین کو کامل کر دیا اور ان پر اپنی نعمت تمام کردی، ان کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا، تو انھیں ایک روشن اور وسیع آئین کی ہدایت فرمائی۔ لیکن یہی امت رسول اسلامؐ کے بعد بٹ گئی اس میں مختلف گروہ، فرقے اور مذہب وجود میں آگئے۔ جبکہ یہ بہترین امت تھی۔

سب سے پہلے اختلاف اور جداجدا ہونے کا سبب صحابہ ہیں۔ ایک مختصر گروہ جو مشعل رسالت کو اٹھائے ہوئے تھا تاکہ اس سے آنے والی نسلوں تک منتقل کرے۔ لیکن رسولؐ کے بعد اس گروہ کے افراد نہ صرف متفرق ہوگئے بلکہ آپس میں لڑے، ایک دوسرے کا خون بہایا، ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا اور

علیحدہ ہوگئے۔ ان کے بعد تابعین تھے۔ انھوں نے مشکل کو اور بڑھادیا۔ انھوں نے نئے افکار کو دین خدا میں داخل کرکے اختلاف کے دائرہ کو مزید وسیع کردیا۔ لہٰذا مختلف گروہ، اقوام اور مذاہب وجود میں آگئے۔ اور مسلمان ایک ایسے انسان میں تبدیل ہوگیا جو تاریکی میں سرگرداں ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ حق کہاں ملے گا۔ اس لئے کہ ہر فرقہ قرآن وسنت اور راہ رسولؐ کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے۔

اگر جذبات اور نری اندھی تقلید سے آزاد ہوں، تعصب کو پس پشت ڈال دیں اور بصیرت کی نگاہ سے حالات پر نظر ڈالیں تو خود سے یہ سوال کریں گے کہ ان تمام فرقوں کے درمیان اہل بیتؑ کا کیا مقام ہے؟ اور خصوصاً اس وقت جب ہمیں اہل بیتؑ کے متعلق رسولؐ کے احادیث بھی دکھائی دیں کہ جن میں آنحضرتؐ نے امت کو تمام دینی ودنیاوی مسائل میں اہل بیتؑ کی طرف رجوع کرنے کی تاکید فرمائی۔ تاکہ ان کی ہدایت کی ضمانت ہوجائے اور وہ انھیں گناہ سے محفوظ رکھیں۔ ایسی حدیثیں بہت ہیں اور تمام مذاہب کے درمیان صحیح اور تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں جیسے رسول خداؐ کا یہ قول:

"میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، کتاب خدا اور اپنی عترت (اہل بیتؑ) جب تک ان دونوں سے متمسک رہوگے، میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہمارے اہل بیتؑ کو بھولنا مت (آپؐ نے یہ قول تین مرتبہ دہرایا)۔ (صحیح مسلم ج ۴/ص ۱۸۷۳۔ ذخائر العقبیٰ/۱۶)۔

وہ محقق جو آج امت کے درمیان اہل بیتؑ کی حیثیت کے بارے میں تحقیق کرتا ہے اسے تمام مسلمانوں کے درمیان اہل بیتؑ کے متعلق سوائے احترام کے کچھ اور نہیں ملتا۔ لیکن اہل بیتؑ کے متعلق رسول خداؐ کی وصیت صرف احترام وتعظیم میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ آپؐ نے حکم فرمایا ہے کہ لوگ اپنے امور میں اہل بیتؑ کی پیروی اور تقلید کریں اور انھیں کی طرف رجوع کریں۔ آپؐ

نے یہاں تک فرمایا:

ان پر سبقت نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوجاؤگے۔ اور ان کو چھوڑ کر، پیچھے نہ رہ جانا اس میں بھی ہلاکت ہے۔ انھیں سکھانے نہ لگنا وہ تم سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔ (معجم الکبیر ج ۵/ص ۱۸۶)

لہٰذا اگر ایسا ہے تو ہم صرف ایک گروہ کو پاتے ہیں جس نے رسولؐ کی وصیت پر عمل کیا اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے زمانہ سے اب تک اہل بیتؑ کی راہ پر قائم ہے۔ اس گروہ کو شیعان علیؑ کہا گیا۔ اور دھیرے دھیرے لفظ شیعہ ان تمام لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو علیؑ اور ائمہ طاہرینؑ کی ولایت اور رہبری کو قبول کرتے ہیں۔

لیکن اگر تاریخ کے اوراق کو پلٹیں تو پتہ چلے گا کہ اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں پر ظلم وستم ہی ہوتا رہا ہے انھیں زندگی کے میدان سے دور کردیا گیا اور وہ اسلام کے اوائل کی تین صدیوں میں مسلمانوں پر حکومت کرنے والے حکام اور امراء کے ظلم وستم کا شکار رہے۔ یہ ظالم حکمران امت کو اہل بیتؑ کی واقعی قیادت سے محروم رکھنے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح ان کی سیدھی راہ وروش سے بھی دور رکھا اور وہ محبت واحترام جو اہل بیتؑ کی نسبت امت میں پایا جاتا تھا اسے ختم کردیا۔ گرچہ حکمرانوں نے منبروں سے لعنت ونفرین میں فروگذاشت نہ کی اور کسی دشنام کو باقی نہ چھوڑا، لیکن اس غیر معمولی فشار کے باوجود یہ حکمران مومنین کے دلوں سے اہل بیتؑ رسولؐ کی مودت والفت کو نکال نہ سکے۔

اسی طرح آج اکثر مسلمانوں کے درمیان جو تناقض وتضاد موجود ہے اس کا معنی ومفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مسلمان اہل بیتؑ کو دوست رکھتے ہیں، علم وفضیلت اور انسانی واخلاقی تکامل کے لحاظ سے ان کی برتری کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود پیروی دوسروں کی کرتے ہیں۔ اور

اپنے شرعی احکام میں دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کی طرف کہ جنھوں نے نہ پیغمبر اکرمؐ کو پہچانا، نہ ہی آنحضرتؐ کے زمانہ میں موجود تھے۔ بلکہ وہ تو اس عظیم فتنہ (کربلا) کے بعد پیدا ہوئے جس نے دین کی نشانیوں کو بدل ڈالا اور صالحین کا خاتمہ کردیا۔ اہل بیتؑ اور ان کی پیروی کرنے والے شیعہ گویا اسلامی سماج سے دور کردیئے گئے۔

یہی سبب تھا کہ ائمہ اہل بیتؑ سے اکثر مسلمان ناآشنا رہ گئے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ اہل بیتؑ کون لوگ ہیں؟ تو کہتے ہیں: رسولؐ کی بیویاں!! لیکن ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ نے امت کو اہل بیتؑ کی پیروی کا حکم دیا ہے جس سے مراد بیویاں نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد بارہ امامؑ ہیں جنکے متعلق صریحاً اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

میرے بعد بارہ خلیفہ ہیں جو سب کے سب قریش سے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۳/ص ۱۴۵۲)

محققین اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہل بیتؑ نے ہمیشہ پوری کوشش کی کہ لوگ ان سے آشنا ہوجائیں اور ان کے پاس آئیں۔ لیکن افسوس کہ:

عوام دنیا کے غلام ہیں اور ان کا دین سوائے زبانی لقلقہ کے کچھ نہیں۔ تاکہ اس طرح ان کی زندگی چلتی رہے اور اگر کسی دن انھیں آزمایا گیا تو دیندار بہت کم ہوں گے (از اقوال امام حسینؑ)۔

یہی وجہ تھی کہ امام جعفر صادقؑ یہ آیت پڑھا کرتے تھے:

میں اس کے لئے مغفرت کرنے والا ہوں جو توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ عمل صالح انجام دے۔ اور پھر ہدایت پائے (سورۂ طٰہٰ/۸۲)۔

پھر فرماتے ہیں:

ہم اہل بیتؑ کی ولایت سے ہدایت پائے۔

آیت کریمہ سے بھی کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ جن مسلمانوں کے

دلوں میں عقیدہ مستحکم ہوگیا، وہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ اچھے اعمال انجام دئے۔ اور برُے عمل سے دور رہے۔ لیکن صرف اتنا کافی نہیں ہے اور صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ خدا کی مغفرت کے مستحق نہیں بن سکتے۔ مگر یہ کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کے جانشین ائمہؑ ہدیٰ کی پیروی بھی کی ہو۔ صرف یہ ائمہؑ ہیں جو اُمت کو قرآنی مقاصد اور سنت رسولؐ کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اور اسی صورت میں امت کے ایمان واعمال، واجبات الٰہی سے بغیر کسی تاویل ونقص کے مطابقت کر سکتے ہیں۔

مگر جب کتاب الٰہی کی تاویل کرلی گئی اور حدیث نبوی میں تحریف ہونے لگی تو ہر فرقہ نے اپنی تاویل کے مطابق کتاب خدا سے استدلال کرنا شروع کردیا اور جو احادیث خود اس کے نزدیک صحیح تھیں انھیں بطور دلیل پیش کیا۔ اس طرح اختلافات پیدا ہوئے۔ سرگردانی وجود میں آئی اور شک وتردید میں اضافہ ہوا۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان اس ہنگامہ میں حق کو پہچاننا چاہے اور گمراہی سے دور ہوکر آخرت کی نجات کا خواہاں اور بہشت ونعمت الٰہی تک پہنچنا چاہے تو اس کے لئے کشتی نجات پر سوار ہونے اور اہل بیتؑ کی طرف پلٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہی اُمت کے امام ہیں۔ خداوند عالم کسی بھی بندے کے اعمال کو قبول نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ عمل ان کے ذریعہ ہو۔ اور کوئی بھی رجحان اہل بیتؑ کے بغیر قبول نہیں ہے۔

اس کو خود رسولؐ خدا نے فرمایا ہے، اُمت کو حکم دیا ہے اور اس کا ابلاغ خدا کے حکم پر کیا ہے۔ اور اگر پیغمبرؐ کے بعد اصحاب کے اختلاف پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ انھوں نے مسئلہ خلافت پر اختلاف کیا اور دیگر تمام اختلافات اسی کے بعد وجود میں آئے۔ بلاشبہ یہ سب خلافت کی خاطر تھے اس لئے کہ جس کے پاس

قیادت کی صلاحیت نہ ہو وہ اُمت کی رہبری ہاتھ میں لے لے اور نچلی سطح والا خلافت رسولؐ غصب کر لے تو یقیناً امّت کو گمراہی کی طرف لے جائے گا۔ اس لئے کہ جہالت وخواہش نفس کی بنیاد پر عمل کریگا۔

(نہ کہ علم وفہم کی بنیاد پر)۔

اور آج جبکہ خلافت کا کہیں پتہ نہیں ہے تو کیا مسلمان فکری بالیدگی پالیں گے؟ رسولؐ کی وصیت پر عمل پیرا ہو جائیں گے؟ قرآن وعترت رسولؐ سے متمسک ہو جائیں گے؟ تاکہ ان کے درمیان دوبارہ صلح وصفائی، بھائی چارگی اور محبت پلٹ آئے اور امت کے درمیان اتحاد و پائیداری پیدا ہو جائے؟ یہ ہے ایک مہربان دوست اور دل سوز بھائی کی فریاد......!!!

گذشتہ بحث سے ہمیں پتہ چلا کہ ہدایت ایسی عظیم نعمت ہے جو خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے اور اہل بیتؑ کی ولایت کی طرف رجوع اور ان کی پیروی گناہ گار بندوں کے لئے ایک بڑی نعمت ہے جو خداوند عالم کی بخشش کی باعث ہے۔ اب ہم کس طرح جہاد کریں کہ اس راہ پر گامزن رہ سکیں؟

اسلام میں دو جہاد ہیں، دشمن سے جہاد جسے جہاد اصغر کہتے ہیں اور دوسرا نفس سے جہاد جسے جہاد اکبر کہا جاتا ہے۔ جس کی ہمارے نزدیک زیادہ اہمیت ہے وہ جہاد اکبر ہے یہ جہاد خود انسان اور نفس امّارہ سے متعلق ہے اس کے ذریعہ عقیدہ کی گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

کبھی انسان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور کبھی دوسروں سے جہاد کرتا ہے۔ نفس سے جہاد یعنی کار خیر میں استمرار، نیک لوگوں کی ہمراہی اور اہل بیتؑ کے حکم کے مطابق عبادات ومعاملات کو بجالاتا ہے۔ لیکن غیر کے ساتھ جہاد یعنی امر بالمعروف ونہی المنکر اور لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف حکمت ونصیحت کے ساتھ تبلیغ ودعوت دینا ہے۔

یہ جہاد کبھی گفتار کے ذریعہ ہے اور کبھی قلم کے ذریعہ ہے لیکن خدا کے نزدیک قلم کا جہاد تلوار کے جہاد سے اولیٰ ہے رسولؐ خدا فرماتے ہیں:

خدا کے نزدیک عالموں اور دانشوروں کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے (کشف الخفا/ج۲ص ۲۶۲۔الاسرار المرفوعہ ص ۲۰۷/ح۸۱۷)۔

اس لئے کہ علماء کی تحریر مسائل حق کو بیان اور ان کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ بلاشبہ لوگوں کو حجت کامل اور واضح دلیل کے ساتھ سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور خدا کے نزدیک یہ عمل قطعاً شہدا کے خون سے برتر ہے۔ اگر چہ شہدا کا خون بھی نہایت مقدّس ہے۔

لہٰذا علماء اور دانشوروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حقیقی اسلام کی تبلیغ کے لئے کوشاں رہیں۔ ائمہ اہل بیتؑ سے لوگوں کو آشنا کریں اس راہ میں مال اور وقت قربان کرنے میں گریز نہ کریں۔ ممکن ہے کفر والحاد اور تباہی کے مراکز کی بے حساب مال سے پشت پناہی کی جارہی ہو لیکن دولت مند مسلمان خدا کی راہ میں سوائے مختصر خیرات کے اور کچھ نہ دیتے ہوں۔

ہم خود اس بات کے شاہد ہیں کہ کفار لوگوں کو بھوک سے نجات دینے کے بہانے صومالیہ پہنچ گئے لیکن ہمارے مسلمان بھائی اس سے غافل ہیں۔

اور اس بات کے بھی شاہد تھے کہ ان مسیحی گروہوں نے افریقہ کے مشرق ومغرب، سوڈان، مصر، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ملکوں میں مختصر کھانے کی اشیاء اور دوائیں خیرات کیں اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر کے دھیرے دھیرے مسیحیت کی طرف لے جاتے رہے۔ لیکن مسلمانوں کا وہ گروہ جس کے پاس کثرت سے مال ہے اور اللہ نے انہیں اپنی یہ نعمت اس لئے بخشی ہے کہ اس کے دوسرے بندوں کو بھی اس سے کچھ نفع پہنچے لیکن آپ انہیں ۲۰ مرتبہ حج سے مشرف ہوتے دیکھتے ہیں اور ہر سال کافی پیسہ خرچ کر ڈالتے

ہیں۔ گو انہیں کے پڑوس میں بھوکوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے جو بھوک کی شدت سے بدحواس ہوتے ہیں اور ان کے پاس بدن ڈھانکنے کے لیے لباس بھی نہیں ہوتا۔ کیا رسول خداؐ نے نہیں فرمایا تم میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک وہ ہے جو خدا کے بندوں کی زیادہ مدد کرتا ہے (بحار/ ج ۷۷/ ص ۱۵۲/ ح ۱۱۰)۔

پھر کیا ہوگیا ہے کہ بعض حضرات کئی کئی مرتبہ خانہ خدا حج کے لیے جاتے ہیں جبکہ ان کے ہی خاندان میں مجبور و بے سہارا لوگ موجود ہیں اور وہ ان کی ضرورت کو برطرف نہیں کرتے، ان پر رحم نہیں کھاتے؟

اس سے بھی بڑھ کر وہ اسراف ہے جسے مسلمان سگریٹ پی کر کرتے ہیں۔ مسلمان جو پیسہ سگریٹ نوشی میں خرچ کرتے ہیں اگر ہم اس کا مختصر جائزہ لیں تو اس کی شرح ہمیں مبہوت کردے گی۔ بطور مثال اگر مسلمانوں کی تعداد ایک ملیارڈ سے زیادہ ہو اور ہر پانچواں مسلمان سگریٹ پیتا ہو۔ تو (۲۰۰) دوسو ملین سگریٹ پینے والے ہرروز (۲۰۰) دوسو ملین ڈالر سگریٹ نوشی میں خرچ کرتے ہیں اور ایک ماہ میں ۶۰ ارب ڈالر خرچ کر ڈالتے ہیں اور پورے سال میں کم ازکم ۷۲۰ ارب ڈالر اس لئے خرچ کر ڈالتے ہیں کہ بمشکل علاج ہونے والی بیماری مفت خرید سکیں!!

اے مسلمانوں! بیدار ہو۔ اور اس قدر اپنا مال فالتو خرچ نہ کرو۔ اگر ہم ان پیسوں کو ۱۰ سال جمع کریں تو ہمارے پاس ۷۲۰۰ ارب ڈالر جمع ہوجائے گا جو بلا شبہ دنیا کے مشرق و مغرب کے تمام فقیر مسلمانوں کو دولت مند بنادے گا۔ کیا اسے آپ بے اہمیت سمجھتے ہیں جبکہ یہ خدا کے نزدیک عظیم ہے۔

بحث کے آخر میں اپنے شیعہ بھائی جو اہل بیت کے پیرو ہیں ان کے لیے کچھ یاددہانی ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ اپنے اہل سنت بھائیوں کے ساتھ گفتگو و بحث میں مجادلہ کی بہترین

روش اختیار کریں اور فحش، گالی اور ایسی باتوں سے گریز کریں جس سے د آزردہ ہوں اور وہ دور ہوجائیں اس لئے کہ خود امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے:

"تم گالی دینے والے نہ بنو۔ نفرین نہ کرو لیکن کہو: ان کا رویہ ایسا اور ویسا تھا تاکہ تمہاری دلیل اور واضح ہوجائے۔" (بحار/ ج ۳۲/ ص ۳۹۹)

۲۔ اپنی عبادتوں اور اپنے معاملات میں ایسی باتوں سے پرہیز کریں رسولؐ اور ائمہ اطہار کے زمانہ میں رائج نہ تھے ممکن ہے ہم ان کے ذریعہ لوگوں مذہب کا گرویدہ کرنے کے بجائے انہیں اپنے دین اور اہل بیتؑ سے دور کریں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"تم ہمارے لئے اپنے اعمال سے تبلیغ کرو نہ کہ زبان سے۔ ایسا کام کرو کہ لوگ ہماری طرف آئیں نہ کہ ہم سے دُور اور متنفر ہوجائیں۔"

(بحار/ ج ۸۵/ ص ۱۳۶)

۳۔ اپنی گفتگو و تقریر میں علمی باتوں کو اہمیت دینے کی کوشش کریں ا صحاح ستہ سے استدلال کرتے ہوئے بحث کریں۔ ان ضعیف حدیثوں کو ترک کردیں جو احساسات کو بھڑکاتی ہیں اور عقل سے ٹکراؤ رکھتی ہیں۔

۴۔ پوری طاقت کے ساتھ استقامت اور تقویٰ کو شعار بنائیں اس ۔ کہ خود ائمہ نے بھی یہی کیا ہے اور صرف اس قول پر تکیہ نہ کریں کہ حضرت ؑ اپنے دوستوں اور پیرووں کی شفاعت کردیں گے کیوں کہ خود حضرت علیؑ فرما۔ ہیں۔

"ایمان آرزو سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایمان وہ ہے جو دلوں میں مستحکم ہوتا ہے اور اقوال و اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ (یعنی انسان کے قول و فعل میں مطابقت ہوتی ہے)۔" (بحار/ ج ۶۹/ ص ۷۲)

۵۔ ائمہ اطہارؑ کی نصیحتوں اور موعظوں سے فائدہ اٹھائیں جو ہمارے ۔

ایک بڑا سرمایہ ہیں۔ صرف نہج البلاغہ میں سینکڑوں بیماریوں کا علاج موجود ہے۔ اب وہ موقع آچکا ہے کہ ہم جہل و نادانی کے غبار کو دور کردیں اور اُمت کو تہذیب کے بلند ترین درجات تک لے جائیں۔

پس اگر شیعوں کے امام شہر علم کے باب ہیں تو ان کے پیروؤں کو چاہیے کہ دوسروں سے زیادہ علوم میں ترقی کریں سب پر سبقت لے جائیں۔

شیعوں اور اہل بیتؑ کے پیروؤں کو چاہیے کہ اپنی صفوں کو مضبوط بنائیں۔ سیاسی پارٹیوں سے دور ہوں اور ایک مرجعیت کے لیے کوشش کریں اور اس کی اطاعت کریں اور پھر تمام مسلمانوں کے اتحاد کی کوشش کریں۔

اگر شیعہ میری ان باتوں پر عمل کریں جنہیں میں نے کتاب خدا، سنتِ رسولؐ اور مکتبِ اہل بیت سے نکال کر پیش کیا ہے تو بلاشبہ ان کے درمیان صلح و آشتی برقرار رہے گی۔ اگر اپنے درمیان سے جہل، باطل عقیدوں اور نقائص کو دور کردیں تو یقیناً خداوند عالم ہم پر احسان کرے گا اور ہماری تہی دستی اور ذلت و رسوائی کو بے نیازی اور عزت میں تبدیل کردے گا اور ہمارے امام زمانہ کو ظاہر کردے گا تا کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھردیں جبکہ وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین﴾

شیعہ ہی اہل سنت ہیں لیکن ......

اب جب کہ ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ امامیہ شیعہ ہی درحقیقت اہلِ سنتِ پیغمبرؐ ہیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر واضح ہے جو عقیدہ اور عمل میں احکام اسلام کا خیال رکھتا ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن اہلسنت والجماعت کے وہ مخالف افراد (جن کے وجود میں آنے کی علت سے ہم گزشتہ بحث میں باخبر ہوئے) شیعوں کے بعض عقائد و اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور شبہات پیش کرتے ہیں تا کہ ان کے دین میں شک پیدا کرسکیں۔ اور کبھی خیالی داستانوں کو گڑھ کر ان کی آبرو ریزی کی کوشش کرتے ہیں اور شیعوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سننے یا پڑھنے والا ان کی نسبت بدگمان ہوجائے اور ان سے نفرت کرنے لگے۔ اور پھر اس کی نظر میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ رہ جائے۔

وہ جن خرافات کو شیعوں کی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں سے بطور مثال ایک یہ ہے۔

وہ شیعوں کو اس بات کا معتقد سمجھتے ہیں کہ جبرئیل نے امانت الٰہی میں خیانت کی اور نبوت علیؑ کے بجائے محمدؐ کے سپرد کردی! (نعوذ باللہ)۔

یا پھر یہ بے ربط مطلب کہ عبداللہ بن سبا مذہب تشیع کا بانی ہے یا شیعوں کے پاس موجودہ قرآن کے علاوہ ایک دوسرا قرآن ہے جو "مصحف فاطمہؑ" کے نام سے معروف ہے۔ یا ہر شب سامرا کے دروازے پر ایک گھوڑا تیار کرکے مہدیؑ کے منتظر رہتے ہیں کہ آپ آئیں اور اس گھوڑے پر سوار ہوں۔ یا کہتے ہیں کہ شیعہ قبر کی پرستش کرتے ہیں۔ اور ائمہ کو خدا کی طرح سمجھتے ہیں یا پتھر پر

سجدہ کرتے ہیں یا زنا کو جائز سمجھتے ہیں یا پھر ایسے ہی دوسرے جھوٹ کہ تھوڑی سی بحث و تحقیق کے بعد ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔

لیکن موجودہ زمانہ میں اہل سنّت کے بعض اعتراضات علمی بحث میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور حقیقت تک پہنچنے کے لیے ایک بند کی طرح رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے ان شبہات کو نہ کسی (شیعہ) کتاب میں پڑھا ہے نہ ہی کسی حدیث بیان کرنے والے مقرر سے سنا ہے لیکن قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے خود انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

یہ مطلب بہت ہی اہم اور حساسیت پیدا کرنے والا ہے اور شاید محققین پر منفی اثر ڈالے اور انہیں حقیقت تک پہنچنے سے روک دے۔ جیسا کہ میں نے قارئین سے وعدہ کیا ہے کہ غیر جانبداری سے کام کروں گا اور حق گوئی سے دریغ نہ کروں گا اور نفسانی خواہش کی وجہ سے کسی مذہب کی نسبت جذبات سے کام نہ لوں گا اور رسولؐ کے اس قول پر عمل کروں گا کہ: حق کہو چاہے وہ تمہارے خلاف ہی ہو۔ (کنزالعمال/ج۳/ص۳۵۹)

اور چونکہ خداوند عالم حق بات کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتا لہٰذا اس موضوع پر ضروری ہے کہ میں صراحت کے ساتھ عرض کرنے کو اپنا وطیرہ بنالوں۔ جیسے ہم شیعوں میں نیک و صالح افراد پر درود بھیجتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں ویسے ہی ان شیعوں کی غلطیوں کو بیان کرتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں جو گمراہی کا شکار ہوئے اور غلط راستہ پر چلے اور اس مسئلہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور سوائے رضائے خدا کے کچھ نہیں چاہتے۔

ضروری ہے کہ ان چیزوں کے درمیان فرق قائم کریں جو دین اسلام کی طرف سے ہم تک پہنچی ہیں اور جو اندھی تقلید، عادت اور غلط اجتہاد کے ذریعہ ہم

تک آئی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بعض اصحاب کی بدعت گذاری پر صراحت کے ساتھ تنقید کی اسی طرح ضروری ہے کہ بعض شیعوں پر بھی تنقید کروں اور ان کے اشتباہات پر سکوت اختیار نہ کروں۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اصحاب کی بدعت اور جدّت دین کا جزو بن گئی اور اس نے احکام خدا اور رسولؐ کو بدل ڈالا۔ لیکن بعض شیعوں کے اشتباہات کا کوئی اثر نہ ہوا نہ ہی کسی حکم خدا میں تغیر کا سبب بنا اور نہ ہی کوئی اس کے وجوب کا قائل ہوا لیکن بہرحال اس پر تنقید ضروری ہے۔

قارئین محترم! جن اہم مسائل کی وجہ سے شیعوں پر تنقید ہوتی ہے انہیں ہم بیان کریں گے۔ کیونکہ شاید خود آپ بھی ان مسائل کی وجہ سے تکلیف میں ہوں اور ان کا آپ کے پاس ایسا جواب نہ ہو جس کو آپ مدمقابل سے بحث میں پیش کرسکیں اور خود بھی مطمئن ہوسکیں۔

یہ جدتیں بھی بدعتیں ہیں جو دین تشیّع میں داخل ہوگئیں۔ اہل بیتؑ تمام بدعتوں کے مخالف ہیں چاہے انھیں رنگین لباس ہی پہنا دیا جائے اور «بدعت حسنہ» کہا جائے۔

یہ بزرگ ہستیاں (ان پر خدا کی رحمت ہو) ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتی تھیں کہ وہ کوئی بات نہیں کہتے اور کوئی عمل بجا نہیں لاتے مگر وہ قول و عمل رسولؐ ہوتا ہے۔

لہٰذا ائمہؑ کے بعد مذہب میں جو کچھ آیا بدعت ہے، فاسد دوا کا نقصان پہنچانا ہے نہ کہ خوشخبری و بشارت بلکہ کام بھی مشکل کردیتا ہے اس لئے کہ ان کی وجہ سے روشن فکر جوان مذہب امامیہ کو تنقید کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی صحت و نقص میں مشکل سے دوچار ہوتے ہیں۔ بعض بدعتیں جن پر اہل سنّت معترض ہیں بہ عنوان مثال یہ ہیں:

☆ روز عاشورا افراط سے کام لینا نیز زنجیر اور قمع کے ذریعہ خون بہانا۔
اور جذبات کو بے مہار چھوڑ دینا۔

☆ نماز کے وقت بے نظمی۔ نمازیوں کی نسبت بے احترامی کا اظہار کرنا۔

☆ مسجد میں سگریٹ پینا۔

☆ نماز جمعہ ترک کرنا اور........

کُلّ یوم عاشور اکُلّ ارضٍ کربلا

اے کاش! لوگ اس کلام کی حقیقت کو سمجھ لیتے اور جس سرزمین پر پہنچتے اور جو دن بھی دیکھتے اس اسلامی حق کو ادا کرتے جس کے لئے امام حسینؑ نے اپنی شہادت دی اور اگر ایسا کرتے تو بلا شبہ دنیا میں مسلمانوں کی حالت بالکل بدلی ہوئی ہوتی۔ اور غلام ہونے کے بجائے آقا ہوتے لیکن افسوس کہ بہت سے لوگوں نے امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے انقلاب کو صرف سال کے چند دنوں میں فقط رونے رلانے، زنجیر و قمع و شبیہ وغیرہ میں منحصر سمجھ لیا ہے کہ چند دن اس واقعہ کی یاد تازہ کی جائے اور باقی سال میں تمام چیز فراموش کردی جائے۔

بہت سے اہل سنت شیعوں کے ان اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور افسوس یہ کہ بعض عربی و مغربی پروپگنڈہ ایجنسیاں اس زمانہ میں ایام عاشورا میں ایران کے شیعوں کو اس طرح پیش کرتی ہیں گویا وہ ایسے درندے ہیں جو شدت و بربریت میں ایسے ہیں جو بس لوگوں کا خون بہانا جانتے ہیں۔ اگرچہ زنجیر و قمع ہندوستان و پاکستان میں شدت سے ہوتی لیکن اغیار کے ریڈیو ٹیلیویژن صرف ایرانی شیعوں پر اپنے کیمرہ کو مرکوز کئے ہوئے ہیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق تحقیق کرنے والا ہر انسان اس کے اسباب سے بخوبی آگاہ ہے۔

یہ پروپگنڈہ ایجنسیاں آخر تہران کی نماز جمعہ کو منعکس کیوں نہیں کرتیں جس میں بیس لاکھ سے زیادہ نمازی شرکت کرتے ہیں؟ یہ ایجنسیاں ایران میں شب جمعہ منعقد ہونے والی دعائے کمیل کا منظر کیوں نہیں پیش کرتیں جن میں

سڑکوں پر ٹریفک جام ہوجاتا ہے اور عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے شب کی تاریکی اور سکوت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر اپنے پروردگار سے رورو کر گناہوں کی بخشش کے لئے دعائیں کرتے ہیں؟

کیوں صرف مراسم عاشورا پر ہی توجہ دیتے ہیں اور چند قمع لگانے والوں پر ہی زیادہ نگاہ رکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ بعض شیعہ ان اعمال کو انجام دیتے ہیں جن کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بعض افراد کے جذبات کا اظہار تھا جو بلا تحقیق مرور ایام سے وراثت میں منتقل ہوگیا اور رائج ہوگیا یہاں تک کہ بعض عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ قمع وزنجیر سے خون بہانا خدا سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور بعض تو اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص یہ اعمال انجام نہ دے وہ امام حسینؑ کو دوست نہیں رکھتا!!

میں جب بھی ان امور پر غور کرتا ہوں اگرچہ حقیقی شیعہ ہوں تو اس منظر سے مطمئن نہیں ہو پاتا جو ایک عام انسان کو متنفر اور بددل کر دیتا ہے۔ آخر اس کے کیا معنی ہیں کہ ایک نیم برہنہ انسان تلوار لے کر حسینؑ حسینؑ کرتا ہوا اپنے ہاتھ سے خود کو مارے اور اپنے خون میں نہائے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان اعمال اور مراسم عزاداری کے تھوڑی دیر بعد بجائے اس کے کہ غمزدہ نظر آئیں ہنستے کھیلتے مٹھائیاں اور پھل کھاتے نظر آتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بعض افراد (بلکہ زیادہ تر افراد) کو دین سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں نے خود کئی موقعوں پر براہ راست ان پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ تمہارا عمل اندھی تقلید سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔

ہاں! یہ کچھ ناسمجھ شیعوں کا عمل ہے لیکن بہرحال امام حسینؑ سے محبت کے اظہار کا ذریعہ ہے جیسا کہ یہ لوگ سوچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص نے ایک عالم دین سے کہا تھا: میں نے حضرت عباسؑ کی عزاداری کے

لئے کھانا تیار کیا اور اس دوران ایک منٹ کے لئے بھی جوتا نہیں اتارا تو اس عالم نے اس سے پوچھا کہ اس دوران تم نے وضو کیسے کیا اور نماز کیسے پڑھی؟ اس نے سرے سے عالم کی بات پر توجہ نہیں دی کیونکہ وہ معتقد تھا کہ مجھے حضرت عباسؑ سے اس کی جزا مل جائے گی۔

بہرحال میں یاد دہانی کراتا ہوں کہ یہ تمام امور وہ ہیں جن کو استعمار ہی نے رائج کیا اور ان کا پروپگنڈہ کرتا رہتا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ بات ہم شیعوں کے یہاں کم ہوتی جارہی ہے۔ خدا بخشے حضرت آیۃ اللہ شہید سید باقر الصدرؒ کو کہ جب میں نے ان سے (شیعہ ہونے سے پہلے) ان اعمال کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا تھا۔

"یہ عوام کے اعمال ہیں تم ہم میں سے کسی بھی عالم کو انھیں انجام دیتے نہ دیکھو گے بلکہ علماء ہمیشہ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں۔"

سب سے بڑھ کر رسولؐ خدا کا کردار ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ کیونکہ جب ان کے حامی ومددگار چچا حضرت ابوطالبؑ دنیا سے اُٹھے تو آپ بہت غمزدہ ہوئے۔ آپ کی عزیز زوجہ نے وفات پائی، آپ کے چچا حضرت حمزہؑ شہید ہوئے اور آپ نے شہادت کے بعد ان کا پارہ پارہ جگر دیکھا۔ حضرت اپنے بیٹے ابراہیم کی موت پر روئے اور جب جبرئیلؑ نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آپ کو دی تو بہت روئے اسی طرح اپنے بھائی علیؑ پر آئندہ آنے ہونے والی مصیبت پر روئے۔

حضرت رسول خداؐ بہت روتے تھے بلکہ مسلمانوں کو حکم دیتے تھے کہ اگر رونہ سکو تو خود کو غمزدہ بناؤ اور ان آنکھوں سے پناہ مانگتے تھے جن سے آنسو نہ جاری ہوں، لیکن اس بات سے روکتے تھے کہ غم میں کوئی بے قابو ہوجائے چہ جائے کہ قمع اور تیغ سے خود کو زخمی کرے اور بدن سے خون جاری کرے۔

ہمارے پہلے امام حضرت علیؑ نے حضرت رسول خداؐ کی وفات کا داغ اٹھایا

اور اس عظیم مصیبت کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنی مہربان زوجہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے غم میں مبتلا ہوئے اگرچہ آپ کے جسم نحیف میں ان دونوں عظیم مصیبتوں کو برداشت کرنے کی توانائی نہ تھی۔ لیکن آپ نے ہرگز ایسے کام نہ کئے جسے آج عوام الناس عزاداری میں کرتے ہیں۔

اسی طرح امام حسنؑ نے اپنے نانا حضرت رسول خداؐ اور اپنی مادر گرامی کی وفات کے بعد حضرت علیؑ جیسے مہربان باپ کو جو پیغمبر اسلامؐ کے بعد بہترین شخص تھے محراب عبادت میں ابن ملجم ملعون کی ضربت کھاتے دیکھا لیکن ایسے اعمال انجام نہ دیئے۔

امام زین العابدینؑ نے بھی عزا میں ایسے اعمال انجام نہ دیئے جبکہ انھوں نے کربلا کا دردناک واقعہ اپنی نگاہوں سے دیکھا اور یہ دیکھا کہ کس طرح ان کے پدر بزرگوار اور ان کے چچا اور بھائی قتل کر ڈالے گئے اور اس کے بعد ان پر ایسے مصائب پڑے کہ اگر پہاڑوں پر پڑتے تو لرز جاتے۔ اور سرے سے یہ تاریخ نے لکھا ہی نہیں ہے کہ کسی بھی امام نے ایسے اعمال انجام دیئے ہوں یا اپنے اصحاب کو ان کا حکم دیا ہو۔ ہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ نوحہ و مرثیہ پڑھنے والے اشعار پڑھیں اور اس پر ائمہؑ خود بھی روتے تھے اور لوگوں کو بھی اہل بیتؑ کے غم میں رونے کا حکم دیتے تھے اور یہ ایک مستحب عمل ہے اگرچہ واجب نہ ہو۔

میں نے خود مختلف موقعوں پر دنیا کے مختلف علاقوں میں عاشورا اور عزاداری کے مراسم میں شرکت کی ہے اور کبھی یہ نہیں دیکھا کہ شیعہ علما اس طرح سے عزاداری کرتے ہوں۔ گویا شیعہ اہل علم ان کاموں کو پسند نہیں کرتے اور انھیں ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔

پس ہمیں اہل بیتؑ کے کردار اور ان کی معرفت سے آگاہی کے بعد عوام الناس کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں ہر سال عاشورائے حسینی کی یاد منانا

چاہئے اور ان کے مصائب بیان کرکے گریہ وبکا اور فریاد کرنی چاہئے۔ حق تو یہ ہے کہ دل بھی زبان سے ہم آہنگ ہو اور آنکھوں کے ساتھ گریہ کرے۔ تمام اعضاء و جوارح روئیں اور خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کے ساتھ یہ عہد کریں کہ ہم بھی امام حسینؑ کی راہ پر جو درحقیقت رسول خداؐ اور اہل بیتؑ کی راہ ہے، گامزن ہوں گے۔

اس طرح عاشورا اپنی عزا، غم واندوہ، گریہ وزاری، اپنی یاد اور عظیم اقدار کی شکل میں نمونۂ عمل بن کر اپنی پاکیزہ شکل میں مخلص شیعوں اور پیغمبرؐ نیز ائمۂ معصومینؑ کی پیروی کرنے والوں کے لئے باقی رہے گا۔ لیکن افسوس عوام الناس کے اعمال کو ان لوگوں کی طرف سے ہوادی جاتی ہے جو شیعوں کے عقائد کو بُرا ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور انھیں اہل بیتؑ سے دور کرکے ان کی تکفیر کرنا چاہتے ہیں۔

بارالہا! تیری بے شمار حمد اور شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں شیعوں اور آگاہ انسانوں میں قرار دیا کہ جو بحث وتحقیق کے ذریعہ راہ حق کی طرف آئے اور عوام اور ناواقف شیعوں میں قرار نہ پائے۔ قارئین کرام پر لازمی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی سنت جو ائمہ اہل بیتؑ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اسے اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دیں۔

اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بہت سے علماء مثلاً آیۃ اللہ امینی مرحوم اور آج کل رہبر انقلاب حضرت آیۃ اللہ علی خامنہ ای اور حضرت آیۃ اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے قمع لگانے کو ناجائز قرار دیا ہے اور جنھوں نے جائز بھی جانا ہے اس پر دو شرطیں لگائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے انسان کو ضرر اور نقصان نہ ہو اور دوسرے اس سے مذہب کی توہین نہ ہوتی ہو۔

گذشتہ علماء میں سے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جو تلوار شیعہ ماضی میں

اپنے دشمنوں پر بلند کرتے تھے آج خود اپنے سروں پر مار رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ انگریز عزاداری کے دستوں کو بڑی مقدار میں تلواریں اپنی طرف سے تقسیم کرتے تھے! اگر چہ یہ قمع زنی ہندوستان سے یہاں آئی تھی لیکن انھوں نے کربلا میں بھی اسے رائج کردیا اور رفتہ رفتہ یہ عزاداری کا جزو شمار ہونے لگی۔ لیکن الحمدللہ آج مسلمانوں کے افکار میں وسعت اور علماء کے فتووں کے ذریعہ قمع زنی کم ہونے لگی ہے۔ اور اسلامی جمہوریہ ایران میں ۹۸ فیصد ختم ہوگئی ہے اسی طرح عراق اور لبنان میں بھی اس میں بہت کمی آئی ہے۔ بہر حال یہ ناواقف اور سادہ لوح افراد کی روش ہے کہ امام حسینؑ کے قضیہ کو علما و مراجع دین کے فتووں سے بالاتر جانتے ہیں۔ اور اس اہم ترین قضیہ یعنی عزائے حسینؑ کو اپنی مرضی کے مطابق من مانے ڈھنگ سے انجام دیتے ہیں اور ویسے نہیں کرتے جیسے ائمہ، اہل بیتؑ اور علماء مراجع چاہتے اور بتاتے ہیں۔

شیعہ اور نماز

اہل سنت جوانوں کا شیعوں پر ایک اعتراض یہ ہے کہ شیعہ اقامہ نماز کو نہ اہمیت دیتے ہیں نہ خشوع رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی کانفرنس یا کسی دوسری مناسبت کے وقت جب وہ شیعہ بھائیوں کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بعض شیعہ نماز گزار نماز جماعت میں صف کی ترتیب اور ایک دوسرے کے بغل میں کھڑے ہونے کے خاص نظم پر توجہ نہیں دیتے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ابھی صف اول کامل نہیں ہوئی لیکن امام جماعت کے پیچھے بغیر نظم و ترتیب کے دوسری صفیں بن جاتی ہیں اور کچھ شیعہ نماز گزار نماز جماعت کے وقت مسجد میں داخل یا اس سے باہر نکل رہے ہوتے ہیں۔ نماز گزاروں کے درمیان راہ چلتے ہیں اور نماز گزار اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتے ہیں اس سے برادران اہل سنت کی نماز باطل ہوجاتی ہے۔

حق یہ ہے کہ اہل سنت حضرات کی نماز جماعت شیعوں سے زیادہ منظم ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کے ساتھ نماز ادا کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا امام جماعت نماز شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو دیکھتا اور ان سے صف منظم کرنے کے لئے کہتا ہے ﴿استووا رحمكم الله﴾ نمازیوں سے کہتا ہے اپنے درمیان فاصلہ نہ رکھیں اور سب ایک دوسرے کے بغل میں کھڑے ہوں اور ایک صف بنائیں۔ آپ نمازیوں کو دیکھیں گے کہ ایک دوسرے سے ملکر کھڑے ہوتے ہیں اور خالی جگہ پُر کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔

یقیناً یہ کام صحیح اور اچھا ہے لیکن افسوس اگر آپ اہل سنت حضرات کی

مسجدوں کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ نقش ونگار پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ان کے علماء بہت نصیحت کرتے ہیں۔ لیکن وہ طہارت وپاکیزگی اور نجاست سے دوری پر کوئی خاص توجہ اور اہمیت نہیں دیتے۔ یہ ان کے مذاہب خاص کر حنبلیوں میں جائز ہے۔ مثلاً مردوں کا سونا پہننا، ان کے غیر دیندار افراد میں اس کثرت سے نظر آتا ہے کہ میں سمجھنے لگا ان کے مذاہب نے جائز قرار دیا ہے اور سونا پہن کر نماز پڑھنا صحیح ہے۔

جبکہ تمام اہل سنت فرقوں نے مردوں کے لیے سونا حرام قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں صفوں کو پُر کرو تاکہ تمہارے درمیان شیطان داخل نہ ہو۔ لیکن افسوس کہ یہ ہر اچھے اور بُرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ صف اول میں کوئی کافر حاکم (جو بظاہر مسلمان ہے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ صف اول میں موجود ہو جو کہ بغیر کسی کمی بیشی کے خود شیطان ہے!!

لیکن شیعہ مسجدوں کو خدا کا گھر سمجھتے ہیں اور اسے مسلمانوں کا مورچہ سمجھتے ہیں۔ ان کی مسجد کی عمارت بہت ہی سادہ ہوتی ہے۔ ان کی مسجدیں عوام کے پیسہ سے بنی ہوتی ہیں نہ کہ حکومت کے پیسہ سے۔ اس کے علاوہ مسجد کی پاکیزگی وطہارت پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ایک لحظہ بھی اسے نجس نہیں رہنے دیتے۔ بہر حال مسجد کے احکام زیادہ ہیں جنھیں علماء برابر بیان کیا کرتے ہیں۔

فی الوقت ایران، لبنان، شام میں شیعہ مسجدوں کی حالت بہت بہتر اور منظم ہوگئی ہے۔

کیا ہم اس بات پر مامور نہیں ہیں کہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں؟ پھر کیوں صرف نظم کا خیال نہ رکھنے اور صفوں کے درمیان چلنے پر اس درجہ سختی سے کام لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہی سختیوں کی وجہ سے بعض اہل سنت نوجوان ہماری مسجدوں میں جانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ہمارے لئے یہ بات کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ نوجوان مسجدوں میں آئیں اور وہاں تربیت پائیں۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ جیسے ہی کوئی (نماز میں سامنے آئے) اور صفوں کے درمیان راہ چلے۔ چلّانا شروع کردیں اور اسے مسجد سے باہر کردیں۔ بلکہ اس کے ساتھ اسلامی اخلاق سے پیش آنا چاہئے اور صحرائی اور جنگلی رویہ کے بجائے اسلامی رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

بہر حال اہل سنت حضرات اس بات کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ نماز کے وقت کوئی صفوں کے درمیان راہ نہ چلے اس لئے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق معتقد ہیں کہ اگر نماز گزار کے سامنے کوئی راہ چلے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اور ان کی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی نماز گزار کے سامنے سے گذرے تو وہ شیطان ہے اسے بھگانا چاہیے!!

دوسری طرف شیعہ ان مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دیتے، میں نے بہت سے علماء ومراجع کے پیچھے مختلف ممالک میں نماز پڑھی ہے۔ لیکن کہیں پر نہیں دیکھا کہ امام جماعت لوگوں سے مخاطب ہو اور کہے صفوں کو مرتب ومنظم کیجیے۔ اور اسی طرح کسی کو بھی صفوں کے درمیان راہ چلنے سے منع کرتے نہیں دیکھا۔(۴۵)

البتہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ مذہب اہل بیتؑ میں نماز گزار کے سامنے راہ چلنے یا کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور عقلی ونقلی لحاظ سے بھی یہی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ مبطلات نماز شیعہ اور اہل سنت کے یہاں واضح ہیں۔ اور ان میں کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ نمازی کے سامنے راہ چلنے سے اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یوں بیان کیا گیا:

نماز قطع نہیں ہوتی مگر کتا، گدھا یا عورت کے نماز گزار اور قبلہ کے

درمیان حائل ہوجانے سے حضرت عائشہؓ بہت ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں: ہمیں کتوں اور گدھوں سے تشبیہ دیتے ہو، خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ رسول خدا نماز پڑھ رہے تھے اور میں تخت پر آنحضرت اور قبلہ کے درمیان حائل تھی۔

(بخاری /ج ۱/ص ۷ ۱۳/کتاب الصلوۃ باب من قال لا یقطع الصلوۃ شئی)۔

اب اہل سنت حضرات کے لئے مذکورہ روایت قانع کنندہ دلیل اور قوی برہان ہے کہ نماز اور قبلہ کے درمیان فاصلہ ڈالنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن ہر حال عمل پسندیدہ نہیں ہوتا؟ اگر مسلمان احتیاط کرے اور نمازیوں کی گردنوں پر پاؤں رکھنے سے پرہیز کرے اور اپنے قدموں سے ان کی اہانت نہ کرے کیونکہ اس وقت وہ اپنے رب کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں تو یہ ایک مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے سبھی کے یہاں قابل قبول ہے اور اسلام بھی اسے صحیح سمجھتا ہے۔ دراصل اس عمل میں نمازیوں کا احترام پوشیدہ ہے۔ بہرحال انسان کے لئے یہ امر تکلیف دہ ہے کہ وہ خشوع وخضوع میں مشغول ہو اور اپنے رب سے مناجات کر رہا ہو اور کوئی سامنے سے گزر کر اس حالت کو ختم کر دے۔

کیا رسول خداؐ نے راستہ میں بیٹھنے سے منع نہیں کیا ہے؟ اس لئے کہ اس سے راستہ چلنے والوں کو مشکل ہوتی ہے اور خصوصاً عورتوں کو اس وقت یقیناً تکلیف ہوتی ہے جب راستے کے دونوں طرف مرد بیٹھے ہوں۔

اس وقت جب کہ حق کی بات سامنے آ گئی ہے اور ہم نے اپنی بحثوں میں اسی پر تکیہ کیا ہے اور قرآن کریم نے بھی یہی درس دیا ہے کہ: خدا حق کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتا۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شیعہ حضرات کو برادران اہل سنت سے استفادہ کرنا چاہئے وہ اس اخلاقی تربیت کو ان سے حاصل کریں

اور جب نماز گزار اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہو، یا رکوع وسجدہ کر رہا ہو تو اس کے لئے خاص احترام وتقدس کے قائل ہوں۔

ہم نے اس بات کو اہل تشیع کے بزرگوں اور رہبروں کے سامنے رکھا انھوں نے اس بابت کوتاہی کا اعتراف کیا۔ لیکن ان میں سے ایک نے ہم پر اعتراض کیا کہ یہ مسائل سطحی اور بے ارزش ہیں اور اصل تو نماز ہے۔

ہم نے کہا: اس درجہ بھی سطحی نہیں ہیں اس لئے کہ یہ ایک طرح کا نظم وضبط ہے جس میں ہیبت ووقار پایا جاتا ہے اور یہ دوسروں کو احترام پر آمادہ کرتا ہے۔ ہمارا دین نظم وترتیب کا دین ہے جو ہرج ومرج کو پسند نہیں کرتا اور نظم وترتیب کو دوست رکھتا ہے۔ کیا خداوند عالم نے نہیں فرمایا:

اور (مسلمانو!) تم تمام نمازوں کی اور (خصوصاً) بیچ والی نماز کی پابندی کرو اور خضوع وخشوع کے ساتھ خدا کے سامنے نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ (بقرہ/۲۳۸)

اور کیا یہ نہیں فرمایا ہے کہ:

خدا ان لوگوں سے اُلفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کے لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (صف/۴)

شاید نماز جماعت کے متعلق تاریخ شیعہ کی مشکلات نے ان کے یہاں اس طرح کی لاپرواہی کو جنم دیا ہے۔ چونکہ ان پر بڑا سخت دور گزرا ہے اور ان کے لئے بہت مشکل تھا کہ اہل سنت کی امامت میں نماز ادا کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل سنت جب نماز کے احکام کو بخوبی بجالانا چاہتے تو ان کی ایک عادت یہ بھی ہوگئی تھی کہ نماز کے دوران امام علیؑ اور اہل بیتؑ کو دشنام دیتے اور لعنت کرتے تھے۔ اور دوسری طرف شیعہ نماز جماعت علیحدہ طور پر قائم نہیں کرسکتے تھے اس لئے کہ فوراً ہی ان پر رافضی ہونے کا الزام لگتا تھا اور قتل کر دیئے جاتے لہٰذا اکثر وبیشتر تقیہ کی حالت میں اہل سنت حضرات کے ساتھ نماز پڑھتے اور فوراً

گھر واپس آ کر بہت سی نمازوں کا اعادہ کرتے تھے۔

یہاں ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اہل بیتؑ اور انکے شیعوں کے مخالف اس وجہ سے ﴿اہل سنت والجماعت﴾ کے نام سے معروف ہوئے کہ اکثر مسلمان ان کی پیروی کرتے تھے۔ اور انکے ساتھ ان ہی کی طرح نماز ادا کرتے تھے اور ان کی جماعت میں حاضر ہوتے تھے۔ لیکن شیعہ اپنے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور ان کی تعداد اس درجہ کم ہوتی جیسے پورے سیاہ لباس میں ایک سفید نقطہ ہو۔ یوں وہ ایک الگ فرقہ شمار کئے جاتے تھے۔

ایک خاص اسلامی فرقہ کے عنوان سے معروف ہونے اور اہل بیتؑ کی فقہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بعد، اہل بیتؑ کی جانب سے وارد نصوص کی رو سے شیعہ صرف عادل، زاہد اور عالم امام جماعت کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے اور ہیں لیکن اس کے برعکس اہل سنت کے یہاں ہر مومن اور فاسق کے پیچھے نماز صحیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب شیعہ کسی ایسی مسجد میں جاتے ہیں جس کے امام کے بارے میں انھیں کچھ معلوم نہیں ہوتا تو وہ مسجد کے ایک گوشہ میں فرادیٰ نماز پڑھتے ہیں اس لئے کہ امام کے بارے میں اطمینان نہیں ہوتا لیکن اہل سنت ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے وہ ہر مومن وفاجر کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں۔

کیا عبداللہ بن عمر نے یزید بن معاویہ۔ حجاج بن یوسف ثقفی حتیٰ نجدہ خارجی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی؟ جبکہ یہ سب کے سب علانیہ فسق وفساد کرنے والے تھے۔

اور اگر شیعہ اس موضوع میں افراط سے کام لیتے ہیں اور ہر کس وناکس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ان دینوں نماز گزاروں پر تکیہ نہیں کرتے جو نماز جماعت میں مشغول ہیں تو یہ اس لئے ہے کہ وہ دین میں احتیاط سے کام لیتے

ہیں اور اپنی نماز کو بطور احسن انجام دینا چاہتے ہیں تاکہ مورد رضائے الٰہی قرار پائے۔ گویا ایک شیعہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر نا معلوم امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو شرعی لحاظ سے مقبول نہیں ہے۔ اور گویا خداوند عالم نے اسے دینی امور میں غور و جستجو کے لئے مجبور کیا ہے۔

مذکورہ مسائل اور امور کے علاوہ جہاں تک مجھے یاد ہے جمہوری اسلامی ایران کے ذمہ داروں میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ میری اور میرے دوستوں کی آرزو تھی کہ حکومت من جملہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان کے ہاتھوں میں آئیں، لیکن جب اسلامی انقلاب کو کامیابی نصیب ہوئی تو ہمیں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

شیعہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا انھیں زبردستی سامنے نہیں آنے دیا گیا۔ لہٰذا ان کے فتوے بہت ہی احتیاط کے ساتھ ہوتے ہیں مثلاً مقدمات نماز جیسے طہارت وضو اور غسل کو بہت اہمیت دیتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو کوئی مسجد ایسی نہ ملے گی جس میں طہارت، قرائت اور رکعات نماز کے متعلق وسواس رکھنے والے موجود نہ ہوں!

بہر حال ہمارا یہ خیال ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت امور میں میانہ روی کا نام ہے خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

اور اسی طرح ہم نے تم کو میانہ رو امت قرار دیا۔ (بقرہ/۱۴۳)

سب سے اچھا کام امور میں میانہ روی ہے۔ نہ افراط ہو اور نہ تفریط ہو۔ (سنن (بیہقی/ج۳/ص ۲۷۳)۔

پس اہل سنت جو سہل انگاری میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور ہر مومن اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں افراط ہے۔

اور دوسری طرف شیعوں کے سخت شرائط کہ وہ صرف اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں جو ہر جہت سے عادل ہو یہ بھی افراط ہے۔

اہل بیتؑ کا اسلام، فاسق وفاجر امام کو قبول نہیں کرتا۔ امام جماعت کے شرائط میں بس اتنا کافی سمجھتا ہے کہ وہ علی الاعلان فسق وفجور کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ امام کے عادل ہونے کے لئے اتنی شرط کافی ہے۔(۴۷)

آنحضرتؐ ہمیشہ اپنے اصحاب سے سفارش کرتے تھے کہ سختی نہ کرو نرمی سے کام لو۔ لوگوں کو خوشخبری دو اور متنفر نہ کرو۔ (کنز العمال/ج ۳/ص ۳۵)

آنحضرتؐ نے مزید فرمایا:

اپنے ساتھ سختی نہ برتو تا کہ خدا بھی تمہارے ساتھ سختی نہ کرے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔

پس دین اسلام نرمی اور آسانی کا دین ہے البتہ ہمارا مقصد احکام شرع میں انحطاط وسہل انگاری ہرگز نہیں ہے۔ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ بلکہ میں خودان مذاہب سے متنفر ہوں جو اپنی آراء ونظریات کے مطابق عمل کرتے ہیں اور الٰہی کو اپنی نفسانی خواہش کی بنیاد پر کم وزیادہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان ساری سختیوں اور شدت کو دینی اخلاص کے بجائے بشری اجتہادات کے نتیجہ میں دیکھیں تو یقیناً متاثر ہوں گے۔ آپ خود قرآن مجید میں خداوند عالم کا قول پڑھتے ہیں:

اور بلاشبہ خدا نے تمہارے لئے دین میں سختی قرار نہیں دی۔(حج/۷۸)

اور دوسری جگہ پڑھتے ہیں:

(خدا تمہارے لئے راحت وآسانی چاہتا ہے نہ کہ شدت وسختی۔ (بقرہ/۱۸۵)

لہٰذا جب ہم سختی برتنے والوں اور وسواسیوں کو دیکھتے ہیں تو دین ایک ایسا ڈراؤنا خواب نظر آتا ہے جو انسان کی طاقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں شیطان کا دل میں راہ پانا ممکن ہوجاتا ہے۔ اور شکوک وشبہات گھر کر لیتے ہیں۔ بے شک بدترین بیماری یہی ہے کہ مسلمان شخص وسوسہ کا شکار

ہوجائے۔ اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی، کب اور کیسے نماز پڑھی اور شیطان بھی اس کے ساتھ تماشا کرے اور اس کے دل کو وسوسہ سے بھردے۔ اور ممکن ہے اس کا یہ وسوسہ عبادات سے معاملات تک پہنچ جائے اور اس کی زندگی نہ صرف اس کے لئے قابل تحمل نہ ہو بلکہ اس سے وابستہ لوگوں کے لئے بھی باعث مشکل ہو جائے۔

خداوند عالم ہمیں اور آپ کو اس سے امان میں رکھے۔

ہمارے فقہاء بھی ایسے شخص کو مریض سمجھتے ہیں اور شدت کے ساتھ اسے وسوسہ سے روکتے ہیں۔

شیعہ اور نماز جمعہ

اہل سنت حضرات جن اہم باتوں کے متعلق شیعوں پر تنقید کرتے ہیں ان میں سے ایک نماز جمعہ کو اہمیت نہ دینا ہے، البتہ بعض افراط سے کام لیتے ہوئے نماز جمعہ کو اہمیت نہ دینے پر شیعوں کو کافر سمجھتے ہیں اور اس کی دلیل میں رسول خداؐ کی حدیث نقل کرتے ہیں: آنحضرت نے فرمایا:

جو بھی تین ہفتہ نماز جمعہ میں شرکت نہ کرے وہ اسلام سے بیزار ہے۔

یا یہ کہ: حضرت سے سوال کیا گیا جو نماز کو ترک کرتا ہے اسکا انجام کیا ہوگا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''وہ دوزخ میں ہے۔'' (الموطاج ۱، ص ۱۱۱)

لیکن شیعوں کے درمیان اختلاف ہے کہ حضرت امام مہدی (عج) کی غیبت کے زمانے میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ فقہاء دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، ایک گروہ ہر زمانے میں نماز جمعہ کے وجوب کا قائل ہے تو دوسرا معتقد ہے کہ نماز جمعہ صرف اس صورت واجب ہے جب اس کے شرائط فراہم ہوں اور ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عادل حاکم نماز جمعہ برقرار کرے۔

یہاں پر یہ کہنا ضروری ہوگا کہ جناب خالصی حرم امام موسیٰ کاظم (کاظمین بغداد) میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ اور مجھے شیعہ ہونے کے پہلے سے ہی اچھے لگتے تھے چنانچہ میں کبھی کبھی نجف یا کربلا سے نماز جمعہ میں شرکت کی غرض سے بغداد جاتا تھا اور جناب خالصی کی شجاعت پر تعجب کرتا تھا کہ آپ نماز جمعہ کو واجب نہ جاننے والوں کی تنقید کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور نہایت ہی اچھے ڈھنگ سے نماز ادا کرتے تھے اور وہ زمانہ ۱۹۶۸ء کا تھا میں دیکھتا تھا

کہ لوگ کثرت سے آپ کے ساتھ نماز جمعہ میں شرکت کرتے تھے۔ (۴۸)

اور دوسری طرف ان لوگوں پر تعجب ہوتا تھا جو آپ کے نماز جمعہ برقرار کرنے پر تنقید کرتے تھے۔ میں خود سے کہتا تھا کہ یہ کس طرح ایک مجتہد پر تنقید کرتے ہیں اور صرف اس بات پر کہ آپ نماز جمعہ قائم کرتے ہیں، جب کہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے:

یایها الذین آمنوا اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا الیٰ ذکر الله.... (سورہ جمعہ آیت،۹)

اے مومنوں جس وقت نماز جمعہ کا اعلان ہو تیزی کے ساتھ یاد خدا کے لئے دوڑ پڑو......

میں ان دونوں اجتہاد (وجوب نماز جمعہ اور عدم وجوب نماز جمعہ) کے درمیان سرگرداں تھا، یہاں تک کہ ایرانی اسلامی انقلاب کامیاب ہوا اور اسلامی جمہوریہ قائم ہوئی اور وہاں پہلے ہی روز سے نماز جمعہ قائم ہوگئی، اسلامی جمہوریہ نے مسلمانوں کے درمیان وحدت کو جامہ عمل پہنانے کے لئے پوری کوشش کی اور یہی وہ وجہ تھی جہاں میں نے شیخ خالصی کی قدر کو سمجھا اور یقین ہوگیا کہ آپ مخلص فرد ہیں اور امید رکھتا ہوں کہ ایک روز آپ سے ملوں اور آپکا ہم نشین ہوں۔

بہر حال شیعہ ویسے ہی اب بھی نماز جمعہ پڑھنے اور ترک کرنے والوں میں منقسم ہیں اور امام مہدی (عج) کے ظہور کے منتظر ہیں۔

اور میری خواہش وقلبی آرزو ہے کہ نماز جمعہ شیعوں کے ہر دیہات اور شہر میں قائم ہوجائے اس لئے کے اس میں بہت زیادہ اجر وثواب ہے۔ جس کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا، ہم نے جن سرزمینوں کے زیارت کی ہے اپنی اکثر تقریروں میں وہاں کے شیعوں کے درمیان کہا ہے کہ وہ ضرور اسلامی جمہوریہ ایران اور عظیم رہبر امام خمینیؒ کی پیروی کریں اور مسلمانوں کی تالیف قلوب اور دنیا کے شیعہ اور سنی مسلمانوں کے درمیان اُلفت ومحبت برقرار کرنے کے لئے نماز

جمعہ قائم کریں۔ اور اس کام کو ضرور انجام دیں اور اس خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنے ذکر و شکر کی قوت بخشے اور بطور احسن اپنی عبادت و پرستش کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور ہمارے دلوں کو ایک دوسرے سے نزدیک کرے تاکہ اس کی نعمت کے زیر سایہ ہم ایک دوسرے کے بھائی ہو جائیں۔ اور کیوں نہ ہو وہ سننے والا اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

مسجدوں میں سگریٹ پینا

شیعہ حضرات پر اہل سنت کا ایک دوسرا اعتراض مسجد میں سگریٹ پینا ہے، وہ کہتے ہیں یہ برا عمل ہے اور شیاطین کے اعمال میں سے ہے۔

اور حق تو یہ ہے کہ شیعوں کی مسجد میں معمولاً یہ عمل نظر بھی آتا ہے۔ مجھے یاد ہے پہلی مرتبہ جب میں نجف اشرف میں مشرف ہوا تھا تو یہ صورت حال نظر آئی جسے دیکھ کر مجھے یہ تعجب ہوا۔ اسی وقت میں نے کچھ علما کے ساتھ بحث کی لیکن ان کے جواب سے قانع نہ ہوا۔

بعض نے کہا سگریٹ پینا حرام نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ وہ اس لئے کہ اس کے اوپر آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کی جانب سے کوئی نص موجود نہیں ہے اور رہا قیاس تو وہ ہمارے یہاں باطل ہے، اور کچھ نے کہا ہم مسجد میں سگریٹ نہیں پیتے بلکہ صرف امام بارگاہوں او رنشست گاہوں میں پیتے ہیں اور امام بارگاہوں اور مسجد میں فرق ہے۔

پہلی توجیہ کے بارے میں ہم ان سے کہیں گے کہ یہ صحیح نہیں کہ جس کی حرمت سے متعلق نص موجود نہ ہو وہ حلال اور جائز ہے اسلئے کہ بعض نصوص عام ہیں اور تمام خبائث ومحرمات کو اپنے اندر شامل کر لیتی ہیں، جیسے خداوند عالم کا ارشاد:

> اے پیغمبر کہہ دو: ہمارے پروردگار نے ہر طرح کے برے اعمال چاہے ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کو حرام قرار دیا ہے (اعراف، آیت ۳۳)۔
>
> یا رسولؐ خدا کا فرمان:

مست کرنے والی تمام چیزیں حرام ہیں۔ (صحیح بخاری، ج۵ ص۲۰۵)

یا یہ:

ضرر اٹھانا اور ضرر پہنچانا اسلام میں نہیں ہے (سنن ابن ماجہ، ج۲ ص ۴۸)

لیکن بعض نصوص خاص ہیں اور کسی ایک امر کی حرمت سے متعلق ہیں جیسے خدا کا یہ ارشاد:

- زنا کے نزدیک نہ ہو (سورۂ اسراء آیت، ۳۲)
- قتل نہ کرو (سورۂ اسراء آیت، ۳۳)
- سود نہ کھاؤ (آل عمران، ۳۰)

یا آنحضرتؐ کا فرمان:

- جو بھی فریب دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (صحیح مسلم ج۱، ص۹۹)
- جو بھی ہم پر جھوٹ باندھے اسے چاہئے کہ اپنی جگہ جہنم میں تلاش کرے۔

(صحیح بخاری ج۱، ص۳۸)۔

لہٰذا اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ سگریٹ ائمہ اطہارؑ اور آنحضرتؐ کے زمانے میں نہیں تھا اس لئے اس سے متعلق خدا اور اس کے رسولؐ وائمہؑ کی جانب سے کوئی صریح حکم نہیں ملتا، جیسے بہت سے محرّمات اب بھی ہیں اور انکو نصوص عام اپنے اندر شامل کئے ہوئے ہیں جیسے لاٹری، یا دوسرے کھیل جو بغیر زحمت کے، پیسے سے کھیلے جاتے ہیں یا اس قسم کے دیگر مسائل۔

لیکن سگریٹ نوشی کو بہر حال خداوند عالم کا یہ قول اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔

اسراف نہ کرو اسلئے کہ اسراف کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا منکر ہے (اسراء/۲۶)

اور رسولؐ خدا نے فرمایا ہے:

اسراف یہ ہے کہ ایک درہم اس چیز میں صرف کرو جس میں ذرا بھی تمہارے لئے فائدہ نہ ہو۔

اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا کہ انسان اپنے مال کو ان نقصان دہ چیزوں میں صرف کرے جو اس کی صحت کے لئے خطرناک ہوں اور اس کی زندگی کو ہلاکت میں ڈال دیں؟

حتیٰ (لا ضرر ولا ضرار) والا قاعدہ بھی سگریٹ نوشی کو اپنے اندر شامل کئے ہوئے ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کیا ضرر ہوگا کہ موجودہ سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ ہر سگریٹ پینے والے کے لئے کینسر اور تنگی نفس کا خطرہ لاحق ہے۔ جونکوٹین سگریٹ میں موجود ہے وہ منشیات کا ایک جزء ہے۔ جس سے سگریٹ نوش کرنے والے کو رہائی ممکن نہیں مگر یہ کہ اسکا مستقل علاج کیا جائے۔

اسی طرح ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین ساجیات نے سگریٹ نوشی کے خطرہ کو محسوس کرلیا ہے۔ لہٰذا سگریٹ نوشی کو عام جگہوں، حکومتی مراکز حتیٰ کہ ہوائی جہاز، ٹرین اور بسوں میں منع کردیا ہے۔

اور ادھر انگلینڈ اور فرانس نے میٹرو میں بھی سگریٹ نوشی کو ممنوع کردیا ہے اسلئے کہ ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ سگریٹ نوشی سے صرف اسی شخص کو خطرہ لاحق نہیں ہے۔ بلکہ اسکے اطراف کو بھی بیماری لاحق ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ذمہ داروں نے اسے عمومی مراکز میں بالکل ممنوع قرار دیدیا ہے اور سگریٹ پینے والوں کو مجبور کردیا ہے کہ دھواں نکلنے کے لئے لوگوں سے دور ہوجائیں، اور یہ صرف دوسروں کے احترام کے لئے نہیں بلکہ ان کی سلامتی وحفاظت کے لئے بھی ضروری ہے۔

اور جو رسولؐ خدا نے فرمایا: ﴿لاضرر ولا ضرار﴾ نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو پہنچاؤ، (آنحضرت کا یہ فرمان) صرف سگریٹ پینے والوں کے

اطرافیوں کو شامل نہیں کرتا بلکہ خود اس کے لئے سگریٹ نوشی کو حرام قرار دیتا ہے۔ اسلئے کہ حضورؐ کے اس فرمان کے مطابق مسلمان شخص پر جس طرح دوسروں کو نقصان پہنچانا حرام ہے ویسے ہی خود کو بھی نقصان پہنچانا حرام ہے۔

آپ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے اور اس کو گناہ کبیرہ شمار کیا ہے، پس انسان خود اپنے بدن کے متعلق بھی آزاد نہیں ہے کہ جو چاہے کرے اور اس لئے کہ انسان کا بدن خدا کی ملکیت ہے نہ کہ خود اس کی ملکیت لہٰذا وہ کام نہیں کرنا چاہئے جو خدا کی ناراضی کا باعث ہو۔

اگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک نے ڈرائیونگ کے وقت شراب نوشی کو ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا عامل مہلک اور خطرناک ایکسیڈنٹ ہے۔ اور اسی طرح سگریٹ نوشی کو جو عمومی مراکز میں ممنوع قرار دیا ہے تو اس کی وجہ سگریٹ پینے والوں کے ذریعہ لوگوں کی تکلیف ہے، لیکن یہ صرف قاعدہ (لاضرار) دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ پر عمل کرتے ہیں۔

لیکن قاعدہ (لاضرر) خود بھی نقصان نہ اٹھاؤ کو کنارے چھوڑ دیتے ہیں اور اس خیال سے کہ انسان اپنے جسم کے متعلق آزاد ہے، صرف اس شرط کے ساتھ کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اپنی نسبت جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اسلام انسان کی مطلق آزادی کا اعتراف نہیں کرتا اور انسان کو اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے آزاد نہیں چھوڑتا۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو (بقرہ، ۱۹۵)

رسولؐ خدا فرماتے ہیں:

﴿لاضرر ولاضرار﴾ (نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ)

بہرحال اگر قبول کریں کہ مسلمان سگریٹ پینے کا حق رکھتے ہیں اسلئے کہ

اس کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے تو قطعاً اس چیز کی اجازت نہ دینی چاہئے کہ مسجد، نماز وعبادت سے مخصوص مراکز اور مسلمانوں کے مجمع کے درمیان سگریٹ نوشی کریں بلکہ انکو چاہئے کہ دوسروں کے احترام کی رعایت کریں۔

لیکن انکا دوسرا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ مسجد میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے لیکن امام بارگاہوں میں کوئی حرج نہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو نہیں جانتے بیان کرتا ہوں، امام بارگاہیں وہ مراکز ہیں جنھیں شیعوں نے بنا کر امام حسینؑ کے لئے وقف کردیا ہے۔ ان مراکز میں ائمہ اطہارؑ کی ولادت وشہادت، عاشورہ، غدیر وغیرہ کی مناسبت سے مجلس وماتم اور جشن مناتے ہیں عموماً یہ امام بارگاہیں قیمتی قالین سے مزین ہوتے ہیں ان میں محراب نماز بھی ہوتی ہے۔ (اگرچہ مسجد نہیں ہے) پس اگر کوئی شیعہ کہے کہ امام بارگاہ میں سگریٹ پینا جائز ہے۔ چونکہ مسجد نہیں تو اولاً۔ اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ مسجد میں سگریٹ نوشی درست نہیں ہے۔

ثانیاً۔ امام بارگاہیں چاہے اس میں مجلس عزا ہو یا محفل مسرت، وہ نشستیں ہیں جو خدا کے نام اور رسولؐ وآل رسولؐ پر صلوات سے پُر ہیں، لہٰذا کیا شائستہ ہے کہ جس جگہ خدا اور رسولؐ وائمہ اطہارؑ کا تذکرہ ہو اور فرشتے اپنے پروں کا سایہ کریں اور مومنین کے لئے استغفار کریں اس جگہ کو سگریٹ کی کثیف اور گندی بو (جو ملائکہ کی کیا بات خود انسان کے لئے مضر ہے) سے آلودہ کیا جائے؟۔

میں خود تعجب کرتا ہوں کہ بعض شیعہ مراجع شطرنج بازی کو تو حرام قرار دیتے ہیں لیکن سگریٹ نوشی کو جائز سمجھتے ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کس درجہ فرق ہے میں اس حالت سے سخت متاثر تھا، اور اکثر اس مطلب کو بعض علماء سے کہتا بھی تھا لیکن ان میں اس بات کی جرأت نہیں دیکھتا تھا کہ وہ اسکو منع یا حرام کر سکیں، (نہ شیعوں کے درمیان اور نہ اہل سنت کے درمیان)۔

مجھے یاد ہے کہ مرحوم شہید صدر کبھی سگریٹ نہیں پیتے تھے، اور جس وقت میں نے سگریٹ نوشی کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: "میں خود سگریٹ نہیں پیتا اور ہر مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ سگریٹ نہ پیئے۔" لیکن خود انھوں نے بھی صراحت کے ساتھ حرام نہ کیا، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرجع نے سگریٹ کو ابتدا سے پینے والوں پر حرام قرار دیا ہے۔ لیکن جو پیتے رہتے ہیں ان کے لیے مکروہ جانا ہے، البتہ بعض اس کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس کی تصریح اس خوف سے نہیں کرتے کہ عوام ان پر قیاس کا اتہام لگائیں گے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ مراجع کی ذمہ داری ہے کہ اس کے متعلق صراحت سے اپنی رائے بیان کریں، اور کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں، اس کو حرام کرنا ان کی ذمہ داری ہے چاہے اجتہاد کے ذریعہ، چونکہ اس بات سے قطع نظر کہ یہ ایک واضح اسراف ہے خود نقصان اٹھانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا ہے۔ (۵۰)

اور بالفرض اگر دھواں نگلنے کے متعلق واضح نص موجود نہ ہو اور خداوند عالم کا قول: ﴿لا تبذر تبذیرا﴾ بھی اسے اپنے اندر شامل نہ کرے تو بھی علما و مراجع کے لئے مواقع فراہم ہیں کہ اس میں اجتہاد کریں اور اسکے ذریعہ انسان کے لئے کثرت سے نقصان وہلاکت کے باعث اس کو حرام قرار دیں۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ بعض مشکلات اور عوام کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ساکت ہو جائیں، یا سگریٹ نوشی کرنے والوں کے ردعمل سے گھبراتے ہوں اور اس کی کراہت کا بھی اعلان نہ کریں، ان توجیہ کرنے والوں میں سے ایک مجھے قائل کرنا چاہتا تھا کہ سگریٹ بڑے فوائد کا حامل ہے۔ خدا کی قسم یہ بڑا خطرناک کام ہے اور بڑے ہی وحشت ناک گوشے رکھتا ہے۔ وہ شخص بعض جوانوں کو سگریٹ نوشی کو جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی بھی کر رہا تھا۔

اور یہ اس وقت ہے جب عالم کفر میں چیریٹیبل فاؤنڈیشن (Charitable Foundations) اور اجتماعی ادارے سگریٹ اور سگریٹ پینے والوں کے برخلاف تبلیغات پر کثیر رقوم صرف کر رہے ہیں، اور سگریٹ کے فوائد پر پروپگنڈے کو ممنوع کرتے ہوئے اس کی کمپنیوں پر فریضہ عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنے سگریٹ کے اوپر لفظ "خودکشی" ضرور لکھیں، تا کہ لوگوں کو اس سے متنفر کر سکیں۔

لیکن افسوس کہ اسلامی ومذہبی سماج میں سگریٹ بڑی قبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے حتیٰ کہ عورتیں بھی محافل میں سگریٹ کا پیکٹ لے جانے سے پرہیز نہیں کرتیں۔

یقیناً بچہ جب آنکھ کھولے اور اپنے ماں باپ کے منہ میں سگریٹ دیکھے تو مرجع دینی کی تقلید کرنے سے پہلے ان کی تقلید کرے گا، اور اگر سگریٹ کی مستی کے ساتھ بڑا ہوا اور سگریٹ کا عادی بن گیا تو بہت مشکل ہے کہ اس کو بڑے ہونے کے بعد سگریٹ پینے سے روکا جاسکے، اور خصوصاً اس وقت جب اس نے ابا جان کو مسجدوں اور عبادت گاہوں میں سگریٹ نوشی کرتے ہوئے دیکھا ہو۔

مسلمانوں کو نہیں معلوم کہ اس سگریٹ کی وجہ سے وہ کس سنگین مالی اور اقتصادی نقصان کے متحمل ہوتے ہیں۔ اگر معلوم ہوتا تو قطعاً متاثر ہوتے، صرف ایک معمولی حساب کے ذریعہ اس بڑے خطرہ سے پردہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس وقت دنیا میں ایک ارب مسلمان ہیں اور اگر پانچ آدمیوں پر مشتمل فیملی میں ایک سگریٹ پینے ولا حساب کریں تو (۲۰۰) ملین سگریٹ پینے والے ہوں گے اور اگر فرض کریں کہ ہر روز ایک ڈالر سگریٹ پر صرف ہوتا ہے (جبکہ یہ ایک پیکٹ سگریٹ کی سب سے کم قیمت ہے) اس حساب میں وہ لوگ جو روزانہ دو یا تین پیکٹ سگریٹ پی جاتے ہیں شامل نہیں ہیں۔

رہے وہ لوگ جو قیمتی سگریٹ پیتے ہیں ان کو اس حساب میں شامل نہیں کیا گیا ہے تو نتیجہ اس طرح ہوگا (۲۰۰) ملین سگریٹ کو ایک ڈالر سے ضرب دیں۔ روزانہ (۲۰۰) ملین ڈالر ہوگا، اور اگر اس روزانہ کی شرح کو (۳۶۵) روز یعنی ایک سال کی مدت سے ضرب دیں تو (۷۳۰۰۰) ارب ڈالر ہوں گے، یعنی مسلمان سب سے کم حساب کرنے کی صورت میں (۷۳۰۰۰) ارب ڈالر خرچ کرتے ہیں، اور اس سے مہلک بیماریاں خریدتے ہیں۔

اگر اس کے ساتھ سگریٹ کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیماری جیسی کینسر، دمہ، سانس پھولنا، برون کائیٹس Bronchitis (حلق کی سوجن)، مسوڑھے اور دانت کی خرابی وغیرہ کے علاج پر خرچ ہونے والی کثیر رقم کو بھی ملحق کردیا جائے تو بلا شبہ ایک ایسی شرح حاصل ہوگی جس کو عقل باور نہیں کرسکتی، اگر مسلمان دس سال اس مال کو جمع کریں تو اس سرزمین پر ایک جنت تعمیر کرسکتے ہیں۔ اور ایک بھی مسلمان فقیر نظر نہ آئے گا۔

اور پھر انھیں کوئی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ اپنا ہاتھ کفار کے سامنے پھیلائیں، اور یقیناً فقر و فاقہ، بیماری، و پسماندگی کا خاتمہ کرسکتے ہیں اور پیش رفت کے لئے جدید ٹیکنالوجی خرید سکتے ہیں اور دوسروں پر سبقت حاصل کرسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ جو چیز سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں رکھتی گرچہ اس کی حرمت پر نص موجود نہ ہو پھر بھی خود اسے حرام قرار دیں اس لئے کہ یہ دین پاکی کا حکم دیتا ہے اور انھیں پلیدی سے روکتا ہے، خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اِن پر پاک و پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ نجس اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے (اعراف/۱۵۷)۔

اگر رسولؐ خدا اپنے اصحاب کو جمعہ کے دن لہسن کھانے سے روکتے تھے تا کہ اس کی مہک سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے جبکہ لہسن میں بہت سے

طبی فائدے ہیں، اور لہسن کی بو کو سگریٹ کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ لہسن کھانے والے کے منہ سے کوئی ایسا دھواں نہیں نکلتا تھا جو فضا کو آلودہ کرے جیسا کہ سگریٹ پینے میں ہوتا ہے مگر رسولؐ خدا نے قاعدہ (لا ضرار) دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ کے تحت اس سے منع فرمایا تو کیا رسولؐ کی نہی میں عقلمندوں کے لئے عبرت موجود نہیں ہے؟۔

اس کے علاوہ جو بھی لہسن کھاتا ہے اسے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن جمعہ کے دن کھانا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہوگی، اور پھر لہسن کھانے میں مدمقابل کو صرف اس کی بو سے تکلیف ہوگی اور کسی قسم کے مرض کا خطرہ نہ ہوگا لیکن سگریٹ کے ساتھ ایسا نہیں ہے یہ دوسروں کو مریض کرکے قطعی نقصان پہنچاتا ہے۔

اور اگر مجتہدین تاش اور شطرنج کھیلنے کو حرام قرار دیتے ہیں چاہے اس میں ہار جیت کا معاملہ نہ ہو، غنا، موسیقی، اور دیگر لہو و لعب کے افعال کو حرام قرار دیتے ہیں کہ جس کے متعلق شاید نص صریح موجود نہ ہو (۵۱) لیکن کیوں اس امر کو حرام قرار نہیں دیتے جو مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے اور انکو بیمار کرتا ہے اور اگر شیعہ سگریٹ پینے پر اصرار کریں تو کم از کم جو سگریٹ نہیں پیتے ان کا احترام کریں۔

خصوصاً عبادت گاہوں، مساجد اور نماز خانوں کا احترام و خیال کریں جیسے کہ اہل سنت کرتے ہیں، آپ خود اس کا امتحان کرسکتے ہیں اگر آپ کے ہاتھ میں سگریٹ ہو اور کسی اہل سنت کی مسجد میں داخل ہوں تو فوراً منع کریں گے اور آپ کو سگریٹ پینے سے روکیں گے اور شاید آپ کو اذیت بھی پہنچائیں۔

میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سگریٹ نوشی بہت بری چیز ہے اور حتماً خدا اور رسولؐ اس سے متنفر ہیں، چونکہ عقل و فطرت اس سے متنفر ہے اور

شاید یہ اس بات کا باعث ہو کہ بعض اہل سنت جب شیعی مراکز میں داخل ہوں تو اس سے متنفر ہو جائیں، چونکہ اس برے ظاہر کے علاوہ شیعہ کے متعلق نہ انھوں نے کچھ جانا ہے اور نہ سمجھا ہے۔ لہٰذا اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ امام جعفر صادقؑ کا وہ قول کس درجہ دل پذیر ہے کہ اپنے شیعوں سے فرماتے ہیں:۔

اپنے اعمال کے ذریعہ لوگوں کو ہماری طرف دعوت دو نہ کہ گفتار کے ذریعہ، ہمارے لئے زینت کا سبب ہو نہ کہ باعث نفرت۔ (بحار الانوار ج ۸۵ ص ۱۳۶)

اور ممکن ہے کہ کچھ افعال دیکھنے والے کو ایسا متنفر کردیں کہ اس کے بعد وہ کوئی بات بھی سننے کو تیار نہ ہو، بہر حال اس کے متعلق جو کچھ بھی شیعوں کو کہا جائے وہ اہل سنت پر بھی صادق آتا ہے۔

اس بحث کے خاتمہ پر عرض کرتا ہوں کہ اصلاح کرنی چاہئے اور حق کی طرف بازگشت فضیلت ہے اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اگر غلط کام پر صدیاں گزر جائیں تو اس کی اصلاح نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کے لئے کوشش ضروری ہے اور جذبہ ہونا چاہئے تا کہ خداوند عالم کی مدد سے اس مہلک بیماری سے ہمیں نجات حاصل ہو۔ چاہے طولانی مدت ہی درکار ہو۔

ختم بحث

یہ ہیں امامیہ شیعہ مذہب پر ہونے والے اہم اعتراض اور تنقیدیں۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ ہر محقق جو حقیقت کا متلاشی ہے اس پر تحقیق کرے اور کسی بھی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرے اور حق کہے۔ چاہے وہ بہت ہی تلخ اور اس کے حق میں نقصان دہ کیوں نہ ہو۔

آج کے روشن فکر و سمجھدار جوان ان زہریلے اور جھوٹے پروپگنڈوں پر یقین نہیں رکھتے جنہیں پروپگنڈہ کرنیوالے ادارے تشیع کے خلاف ہر طرف پھیلاتے رہتے ہیں اور شیعوں کو شدت پسند، دہشت گرد گروہ یا خدا کے دیوانے کہتے ہیں۔

روشن خیال افراد ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن ممکن ہے کہ بعض مسائل جو شیعہ محافل میں پیش آتے رہتے ہیں ان سے متاثر ہوں یا بعض مطالب شیعہ کتابوں میں پڑھیں اور حیرت زدہ ہوں اور اس کے لئے انھیں تفسیر وتوضیح کی ضرورت ہو۔

بعض اشتباہات کچھ شیعہ عوام کے ذریعہ عمل میں آئے کہ جو نہ دین میں سے تھے اور نہ ان ضرورتوں میں سے جو محرمات کو جائز کردیتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ ایسا نقصان پہنچا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑگیا۔ ان کے متعلق ہم نے ان کی جگہ پر توضیح کی ہے۔

گذشتہ بحثوں میں محکم وشائستہ استدلال جسے ہم نے اپنی کتابوں میں پیش کیا اور مسلمانوں کے درمیان نشر کیا اس میں ثابت کیا کہ امامیہ شیعہ تمام

﴿قل هوا اللّٰه احد ۝ اللّٰه الصمد۝ لم یلد و لم یولد۝ ولم یکن له
کفواً احد﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے اللہ ایک ہے وہ سب سے بے نیاز ہے (اور سبھی
اس کے نیاز مند ہیں) نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی اسے کسی نے جنا
اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے۔)

اس حقیقت کی طرف رسولؐ خدا اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
خدا کی قسم میں ہرگز انہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد مشرک ہوجاؤ گے۔ بلکہ
اس بات پر خائف ہوں کہ دنیا (خلافت) کے لئے جھگڑا کرو(۵۵)

اور یہ امت محمدؐ کے مشرک نہ ہونے پر واضح و روشن دلیل ہے اسی طرح
اس بات پر بھی دلیل ہے کہ امت محمدؐ آپ کے بعد دنیا اور قدرت و اقتدار طلبی
کے متعلق نزاع کرے گی اور اپنے ماضی کی طرف پلٹ جائے گی اور وہ حکم دے
گی جس کو خدا نے نازل نہیں کیا اور یہ وہی چیز ہے جو ظلم، تباہی اور حتیٰ کہ کفر کا
باعث ہوگی لیکن ہرگز شرک کا باعث نہ ہوگی اور خداوند عالم نے بھی اس حقیقت
کا اعلان قرآن کریم میں کیا ہے:

جو اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو وہ کافر
ہے۔ (مائدہ/ ۴۴)
جو بھی اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو ایسے
لوگ ستمگر ہیں۔ (مائدہ ۴۵)
جو بھی اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل فرمایا ہے تو
ایسے لوگ فاسق و بدکار ہیں۔ (مائدہ/ ۴۷)

اور یہ وہی مصیبت ہے جو رسول خداؐ کے بعد سے آج تک امت اسلامی
کے درمیان موجود ہے، اس لئے کہ وہ قوانین و دستور جو خود بشر کے ہاتھوں بنے
تھے اور ذاتی اجتہاد سے وضع کئے گئے تھے اس کو شریعت میں داخل کردیا گیا اور

اس طرح احکام خدا میں تبدیلی کردی گئی لیکن اس کی باوجود خدا ان کو مشرک نہیں
کہتا بلکہ ظالم، فاسق اور کافر سمجھتا ہے۔

یہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ اسلامی اور عرب ممالک کے روساء اور بادشاہ کبھی
وہ حکم دیتے ہیں جو کتاب خدا کے برخلاف ہوتا ہے۔ لیکن ہم انھیں ہرگز مشرک
نہیں کہتے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں
بلکہ اس سے بڑھ کر اگر یہود و نصاریٰ خدا کے لئے فرزند کے قائل نہ ہوں تو انھیں
موحد سمجھیں گے اور انھیں کافر نہیں کہیں گے۔

خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

اور جب خود یہودیوں کے پاس توریت موجود ہے اور اس میں حکم خدا
موجود ہے تو پھر تمہارے پاس فیصلہ کرانے کیوں آتے ہیں اور پھر اس
کے بعد تمہارے فیصلہ سے پھر جاتے ہیں یہ لوگ باایمان نہیں ہیں۔
(مائدہ ۴۳)

جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کے مطابق اہل انجیل کو حکم کرنا چاہئے
اور جو بھی خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ فاسق
وبدکار ہے (۵۶)

بات واضح ہے اور مزید توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ وہابیت نے رنگ و نسل و شہرت کے لحاظ سے مسلمانوں کے مختلف
مقدس مقامات پر قبضہ کر رکھا ہے۔ مکہ مکرمہ جس میں خانہ خدا ہے اور ہر سال
مسلمان فریضہ حج کی ادائگی کے لئے وہاں آتے ہیں یہ اسلام کا رکن شمار کیا جاتا
ہے اور مسلمان خانہ خدا کے طواف، مشعر میں وقوف، صفا و مروہ کی سعی، عرفات
میں قیام، کی بے انتہا آرزو رکھتے ہیں کہ کم از کم عمر میں ایک مرتبہ اس کی زیارت
کرسکیں۔

مدینہ منورہ جہاں مسجد النبیؐ ہے اور قبر نبیؐ بھی اسی مسجد میں ہے آنحضرتؐ

کے آثار، مثلاً: محراب، آپ کا منبر، اور آپ کی تربت مطہر بھی موجود ہے۔

اسی طرح بقیع بھی مدینہ میں ہے جس میں صحابہ اور آنحضرتؐ کی بیویوں کی قبریں ہیں اور اہل بیتؑ کی بھی قبریں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مقدس مقامات جیسے شہداء کے مقبرے، کوہ احد، اہم مسجدیں جیسے مسجد قبلتین، مسجد قبا بھی مدینہ منورہ میں ہیں۔

وہابیوں نے ان جگہوں پر مادّی ومعنوی ہر لحاظ سے قبضہ کر رکھا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعہ کبھی ترغیب دے کر اور کبھی دھمکا کر اپنے مذہب کی ترویج کرتے ہیں خصوصاً حج کے موسم میں جب دنیا بھر سے لاکھوں حاجی اکٹھا ہوتے ہیں تو مختلف جلسہ اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ اور وہابیت کے زرخرید افراد جماعتوں، گروہوں، کے درمیان براہ راست وہابیت کی تبلیغ کرتے ہیں اس کے علاوہ تمام طاقتور تبلیغاتی وسائل مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، ان کی خدمت میں ہیں جو حاجیوں پر اچھا خاصہ اثر ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے بحث ومناظرہ وگفتگو سے کنارہ کش ہوکر صرف خداوند عالم کی عبادت کرتے ہیں۔

۳۔ تیل کی فروخت کے ذریعہ عظیم سرمایہ ہاتھ آتا ہے اور حج وعمرہ میں بلا وقفہ اقتصادی نفع ہوتا رہتا ہے۔ ان سب سے وہابیت کے ارتقاء میں مدد ہوتی ہے تاکہ وہ ساری دنیا میں پھیل جائیں اور بالخصوص ائمہ جماعت ومساجد کے درمیان کثرت سے پیسہ تقسیم کرتے ہیں تاکہ ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں، حتیٰ کہ تمام عربی ممالک کے پایۂ تختوں میں بے شمار مسجدیں تعمیر کی ہیں جن میں بلا استثناء وہابیت کی تبلیغ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ مدارس، کالج، یونیورسٹیاں، کثرت سے بنائی گئی ہیں جن میں وہابی مبلغین فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں اور شب و روز لوگوں کو اپنے جدید مذہب کی طرف دعوت دینے میں لگے رہتے

ہیں۔

اسی طرح بے شمار پریس اور پبلیکیشن تیار کیے گئے ہیں اور سینکڑوں اخبار، میگزین، (ہفتہ وار اور ماہوار) جرائد کا پیسہ سے پیٹ بھرتے ہیں، اور ان سے اپنے مذہب کی خدمت لیتے ہیں۔ کروڑوں ڈالرز زرخرید قلم کاروں پر خرچ کرتے ہیں تاکہ اپنے مذہب کی حسب منشا تائید اور مخالفین کی تکفیر پر تحریر و تالیف کرائیں۔

اسی طرح کروڑوں جلد قرآن وکتاب جو ان کے مذہب کی تائید میں ہے۔ بطور ہدیہ تمام دنیا میں تقسیم کرتے ہیں: اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ خلیجی جنگ کے بعد ان کی نسبت لوگوں کی نفرت کے پیش نظر زائرین خانۂ خدا کے درمیان ماہ رمضان میں دودھ اور خرما اور واپسی کے وقت ایئرپورٹ پر آب زمزم کی بوتلیں بطور ہدیہ دینے لگے ہیں۔ جس پر لکھا ہوتا ہے۔ (خادم الحرمین کا ہدیہ) جبکہ پہلے حاجیوں کو جہاز میں آب زمزم لے جانے سے روکتے تھے۔

۴۔ بین الاقوامی روابط جو وہابیت کو امریکا سے دوستی کی بنیاد پر حاصل ہیں اس نقطہ کے پیش نظر کہ امریکا تمام عرب ممالک بلکہ روسی بلاک کے ٹوٹنے کے بعد تمام دنیا پر بالواسطہ یا بلا واسطہ رابطہ رکھتا ہے۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امریکی منافع خصوصاً ایران میں شہنشاہیت کی تباہی اور اسلامی جمہوریہ کا قیام اور پھر اس منطقہ میں امریکی منافع کو لاحق خطرہ کی مخالفت وہابیت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اہل فہم حضرات سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ وہابیت امریکا کی داہنی آنکھ ہے۔ جیسے اسرائیل بائیں آنکھ ہے۔ لیکن امریکا جو چاہتا ہے وہابیت سے لیتا ہے اور اسرائیل کے حوالہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ امریکا تخت شہنشاہی کی حفاظت میں بڑی محنت کرتا ہے اور وہابی حکومت کی بقا اور اس کے مخالفین کو کچلنے کے لئے

سی آئی اے کی بڑی قوت صرف کرتا ہے اور اسرائیل کو جو چاہتا ہے دیتا ہے۔

اس لئے کہ اسرائیل امریکا کے صدر جمہوریہ کی کامیابی کا ضامن ہے اور امریکا حتیٰ کہ یورپ میں بھی کامیابی کی ضمانت یہودی ووٹ ہیں۔

یہ ایک دوسری بحث ہے جس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن جو چیز اس وقت ہمارے لئے اہم ہے وہ یہ ہے کہ وہابیت کا امریکا سے براہ راست رابطہ ہے اسی لئے دنیا کے تمام عربی اور اسلامی ممالک میں وہابیت بڑی ہیبت کی مالک ہے، مثلاً جن عربی و اسلامی ممالک میں نماز کے بعد مسجدوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں وہ اس لئے ہے کہ انھیں خوف ہوتا ہے کہ تخریب کار وہاں اپنے افکار کو پھیلائیں گے۔ لیکن وہیں وہابیت کی تبلیغ کے لئے مسجدوں کے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ جس درجہ چاہیں اپنے افکار کی ترویج و تبلیغ کریں۔

وہابیت کو مشروعیت اس وقت حاصل ہوئی جب اس نے اپنے زیر سایہ ممالک کی بڑی مقدار میں مدد کی اور ان کے اقتصادی پروجیکٹوں کو مکمل کیا۔ پھر یہ فقیر و نیاز مند ممالک وہابیت کی شرائط کو کیوں قبول نہ کریں کہ وہابیت خود تو اپنی نشر و اشاعت کرتی ہے لیکن جو کتابیں، میگزینیں وہابیت کی حقیقت بیانی کرتی ہیں ان کو بند کردیں۔

حتیٰ کہ یہ بات خود فرانس میں جو کہ خود کو طاقتور حکومت سمجھتا ہے عمل میں آئی جبکہ فرانس خود انسانی حقوق و آزادی کا داعی ہے اور سلمان رشدی اور اس کی کتاب کا دفاع کرتا ہے لیکن کتاب (تاریخ آل سعود) کو منع کرتا ہے۔ اور عمومی کتاب خانوں سے اٹھالیتا ہے کیوں......؟

اس لئے کہ اس کتاب نے وہابیت کو رسوا کردیا اور جس وقت آپ علت تلاش کریں گے تو کہا جائے گا سعودیہ نے ۱۹۸۴ء میں فرانس کو ایک یقینی

اقتصادی زوال سے نجات دی تھی اور ستر کروڑ یا شاید اس سے زیادہ کی رقم بخش دی تھی۔

اس کے بعد سے صرف پیرس میں سینکڑوں مسجدیں وجود میں آگئیں۔ جن میں وہابیت کی ترویج ہوتی ہے۔ جبکہ مرکز اہل بیتؑ کو بند کردیا گیا اس لئے کہ یہ دہشت گردی اور تخریب کاری کا مرکز ہے! چنانچہ جو بھی مکتب اہل بیتؑ کی طرف میلان رکھتا ہو فرانسیسی پولیس اس کا تعاقب کرتی ہے۔ لیکن وہابیت اور اس کے پیرو پوری آزادی کی ساتھ پرورش پا رہے ہیں۔

ان کے متعلق یہ مختصر وضاحت تھی لیکن پس پردہ کیا کیا پوشیدہ ہے؟ اس کے خطرات سے تو بس خدا آگاہ ہے۔ لہٰذا میں پھر تکرار کرتا ہوں کہ مسلمان اب تک وہابیت سے بدتر کسی اور مصیبت سے دوچار نہیں ہوئے۔

خوارج اور وہابیت میں اتحاد

خوارج (حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے) کے ذریعہ شبہ پیدا کرتے تھے اور اس وقت وہابیت (عبادت صرف خدا کے لئے ہے) کے ذریعہ شبہ پیدا کر رہی ہے۔ البتہ یہ دونوں دعوتیں اگر بدون قرینہ اور بغیر کسی تعلق کے ہوں تو اس میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کو ایک سیاسی شبہ یا دوسروں کے عقائد کی مخالفت کے لئے استعمال کرتے ہیں لہٰذا یہ ایک جعلی اور باطل دعوت ہو جاتی ہے چاہے اس نے حق کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔

خوارج کی دعوت روز اوّل ہی دفن کردی گئی اس لئے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب نے اس کو رسوا کر دیا اور ان کے جھوٹ کی حقیقت کو عیاں کردیا۔

اور پھر امامؑ اپنی پوری قوت کے ساتھ تیار ہوئے اور ان سے ایسی جنگ کی جس کی مثال پہلے نظر نہیں آتی، اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے حضرت رسولؐ خدا کی وصیت پر عمل کیا اور خوارج کو ان کی دعوت کے ساتھ قیامت تک کے لئے واصل جہنم کردیا۔

لیکن افسوس کہ وہابیت کی دعوت کو قوت حاصل ہوگئی اور اس نے ہر جگہ پھیل کر جڑ پکڑلی۔ اس لئے کہ شروع میں اسے انگلینڈ، امریکا، اور یورپ کی حمایت حاصل تھی اور اس کی وجہ ملت کے سیاسی تجزیہ نگار اور روشن خیال افراد جانتے ہیں۔ خاص کر اس وقت جب یورپ عموماً اور امریکا خصوصاً اسلام سے جنگ میں مصروف ہے اور اسلام کو اپنے مصالح اور منافع کے لئے واحد خطرہ محسوس کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے رکھا ہے اور متحد ہوگئے ہیں تا کہ اسی طرح وہ بے وقفہ اس کوشش میں اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ جنگ کریں اور اس کو پوری قوت اور ہر طرح کے پروپگنڈہ کے وسائل کے ذریعہ نیست و نابود کر ڈالیں۔

حتیٰ کہ ان کے بعض سربراہوں نے تاکید کی ہے کہ تمام خطرناک ہتھیار وا سلحے قوت کے مظہر صدام کے ہاتھوں میں دے دیں کہ اسلامی ایران کو نابود کر ڈالے، لیکن جس وقت ان کا نقشہ ناکام ہوگیا اور خود عراقی مجاہدین عراق کے اندر اور باہر قوی ہوگئے، تو انھیں فکر ہوئی کہ عراق (جس میں دوتہائی سے زیادہ شیعہ ہیں) میں بھی امام خمینیؒ کا تجربہ کہیں دہرایا نہ جائے اور ایرانی انقلاب کے ساتھ عراقی انقلاب متحد نہ ہوجائے اور یہی وہ مقام تھا جہاں انھوں نے یہ گھناؤنا کھیل کھیلا۔ چنانچہ کویت کے قبضہ اور جنگ خلیج فارس کا ڈرامہ رچایا گیا اور اس کا مقصد صدام کی نابودی نہ تھا جیسا کہ وہ مدعی ہیں بلکہ ان کا مقصد عراقی عوام کی نابودی تھا۔ جو کہ ستر (۷۰) فی صد شیعہ ہیں اور ہوا بھی یہی کیوں کہ کویت کی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی اور صدامی حکومت پہلے کی بہ نسبت اور قوی ہوگئی۔ لیکن عراقی مظلوم عوام کی زندگی ایسی تباہ ہوئی کہ وہ ایک ٹکڑے روٹی کے لئے اثاثہ زندگی حتیٰ کہ اپنا لباس تک بیچنے کے لئے تیار ہیں۔

اور یہی وہ مقام تھا جہاں وہابیت نے شیعوں پر غلبہ حاصل کیا خصوصاً اس وقت جب سعودی کیمپوں میں شیعوں کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ جگہ دی گئی۔ تا کہ مسلسل ٹارچر، اذیت، آزار اور اہانت کا مزہ چکھتے رہیں۔

پروردگار عالم کا قول ملاحظہ ہو:

تم سے یہود ونصاریٰ راضی نہ ہوں گے مگر یہ کہ تم ان کی پیروی کرو اور ان کے تابع بن جاؤ۔ (بقرہ/۱۲۰)

اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودی وعیسائی جن کی اکثریت امریکا اور

یورپی ممالک میں ہے، وہ وہابیت سے محبت اور اظہار دوستی کرتے ہیں اور وہابیت سے راضی ہیں کیوں کہ وہابیت نے بھی ان سے اپنی دوستی ثابت کردی ہے۔ لیکن یہ یہودی وعیسائی عراق، لبنان، ایران، حتیٰ کہ ایران کے شیعوں پر برافروختہ ہیں اور انہوں نے تمام پروپگنڈہ کرنے والے اداروں کو شیعوں کو برا دکھانے، ان کی توہین کرنے اور ان پر قدامت پرستی، شدت پسندی اور تعصب ...... و ...... و .... جیسی تہمتیں لگانے کے لئے خرید رکھا ہے۔

اور یہ سارے تبلیغاتی وسائل جو وہابیت کی جانب سے خوراک پاتے ہیں مسلمانوں سے شیعوں کو متنفر کرنے، ان کے درمیان عقائد میں شکوک و اختلاف پیدا کرنے اور بعض منفی رفتار جو کچھ جاہل و نادان عوام کے ذریعہ خاص مراسم میں سامنے آتی ہیں ان کو ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسی طرح بزرگ مراجع پر کھلم کھلا طعن کرنے اور ان کی عدالت میں شبہ پیدا کرنے کے ساتھ یہ تہمت کہ "مراجع اموال مسلمین کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں تاکہ ان کی اولادیں احمقوں کی طرح اُڑائیں" لگانے میں بھی کامیاب رہے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعہ تنظیموں کو خریدنے میں بھی کامیاب ہوگئے۔ جو گمراہی اور راستہ سے بھٹک جانے کا علم بلند کریں۔

خدا کی قسم ایسا زمانہ نہیں گزرا جو شیعوں کے لئے اس سے زیادہ خطرناک ہو اور مخلص و دل سوز شیعوں کو چاہئے کہ اُمور کو گہری نگاہ سے دیکھیں اس لئے کہ یقینی خطرہ درپیش ہے البتہ ان کا صبر واخلاص، خیرونیکی کا سبب ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

> خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف وتنازع نہ کرو کہ (اختلاف کی وجہ سے) کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہمت اکھڑ جائے گی اور اسی طرح صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (انفال/۴۶)

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ خوارج نے "حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے" کی بنیاد پر شبہ پیدا کیا تھا اور وہابیت مقولہ "بندگی صرف خدا کے لئے ہے" پر قائم ہے۔ گرچہ یہ دونوں مقولے ایک دوسرے سے کافی مشابہ ہیں لیکن مقولہ وہابیت، مقولہ خوارج سے کہیں زیادہ قوی ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے پہلے حضرات عمرؓ وابوبکرؓ نے حکومت کی تھی اور ان قوانین کے ساتھ حکومت کی جو مجموعاً نصوص قرآن وسنّت کے مخالف تھے لیکن کسی نے ان کی مخالفت نہ کی یا کم ازکم تاریخ نے کسی قابل ذکر مخالفت کا ذکر نہیں کیا لوگوں نے بھی خلفاء کے قوانین کو قبول کرلیا اور ان کی عادت ڈالی او راس کو خداوند عالم کا حکم سمجھنے لگے اور ان سے جس درجہ ممکن ہو اس کی عجیب وغریب تاویل بھی کرڈالی اس لحاظ سے خوارج نے مسلمانوں کے دلوں پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا کیوں کہ وہ سقیفہ بنی ساعدہ کی تھیوری کے قائل تھے۔ جو عوام کو حاکم کے انتخاب میں آزاد قرار دیتی ہے اور خدا کے انتخاب پر کوئی ایمان نہیں رکھتی۔

اور پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی تائید میں آیتیں بھی بیان کرتے جن کو آیات شوریٰ کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ ہو

﴿اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ (نساء/۵۹)

سے خدا، رسول اور اولی الامر بشر کے ہاتھوں منتخب حاکم کی اطاعت کو واجب سمجھتے ہیں اور اس کے ذریعہ استدلال پیش کرتے ہیں۔ اور بھی بہت سی حدیثیں نبیؐ کی زبانی نقل کرتے ہیں جو حاکم کی اطاعت کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔

لہٰذا مقولہ خوارج اور ان کی جانب سے پیدا کیا جانے والا شبہ اگر خود حضرت امیرؑ اسے رُسوا نہ کرتے تو بھی مسلمانوں کے نظریہ کے لحاظ سے فنا ہوجاتا

چونکہ یہ مقولہ ان کے لئے نیا تھا اور ان کی حکومت کے مفہوم کے ساتھ سازگار نہ تھا لہٰذا اس کی تائید نہ ہوئی خصوصاً حکومت کی ہوس رکھنے والے اُمویوں اور عباسیوں کی طرف سے بھی جن کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

لیکن وہابیت کا شبہ جو مقولہ "بندگی صرف خدا کے لئے" ہے کون مسلمان ہے جو اس کو قبول نہیں کرتا یا اس کے وجوب کا معتقد نہ ہو گو وہابیت ہمیشہ اس آیت کا ورد کرتی ہے۔

اور انھیں کوئی حکم نہیں دیا گیا سوائے پروردگار کی عبادت کے خلوص کے ساتھ اس کو پکاریں اور اس کے دین پر ایمان لائیں نماز پابندی سے ادا کریں، زکواۃ نکالیں اور سچ اور پائیدار دین یہی ہے۔ (بینۃ/۵)

وہابیت نے کوتاہ فکری کے زمانہ میں بعض جاہلوں کی عادات و اطوار کو اپنا نشانہ بنایا اس زمانہ میں شعبدہ بازی وحیلہ گری زیادہ ہوگئی اور یہ دھوکہ باز استعمار سے خوراک پاتے تھے لہٰذا وہابیوں نے اس کو مسلمانوں کی تکفیر اور ان کو مشرک قرار دینے کے لئے قطعی دلیل قرار دیا اور ان کے قتل کو مباح جانا اور مسلسل خونریز جنگوں کے ذریعہ مقامات امن (مکہ ومدینہ) پر مسلط ہوگئے۔

جن دلیلوں پر وہابیت تکیہ کرتی ہے اگر ہم ان پر ایک نظر ڈالیں مثلاً خدا کا وہ قول جس میں فرماتا ہے۔

مسجدیں خدا کے لئے ہیں لہٰذا خدا کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔
(سورۂ/جن ۱۸)

تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ان کی اس گفتار میں خوارج سے شباہت موجود ہے جو کہتے تھے کہ حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے اور خدا فرماتا ہے۔

ان کا سوائے خدا کے کوئی یارو مددگار نہیں اور کوئی بھی اس کے حکم میں شریک نہیں۔ (کہف/۲۶)

مذکورہ آیت تو حکم خدا میں کسی اور کی شرکت کی نفی کرتی ہے لیکن اس کے

برخلاف بے شمار دوسری آیتیں موجود ہیں جن میں انسان کو حاکمیت کا حق بخش دیا ہے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ اور پھر ان کی تفسیر ہم نے پیش کی کہ ان آیات کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے اس لئے کہ تشریعی حاکمیت خدا کے لئے ہے اور کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہوسکتا۔ چاہے پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ (۵۷)

خداوند عالم اس کے متعلق فرماتا ہے:

اور اگر وہ (پیغمبر) ہماری بہ نسبت کوئی جھوٹ بات کہتے تو ہم ان کی گردن اڑا دیتے اور تم میں سے ہمیں کوئی بھی روک نہیں سکتا
(حاقہ/۴۴ تا ۴۷)

لیکن اجزائے حاکمیت کو خداوند عالم نے ان انبیاء وائمہ کے لئے قرار دیا ہے۔ جن کو خود اس نے منتخب کیا ہے اور اس تفسیر کے بعد آیتوں کے معنی میں اختلاف نہیں رہتا؛ اسی طرح وہ آیت

"جو خدا کے ہمراہ کسی اور سے متوسل ہونے کو روکتی ہے"

کے مقابل ایسی آیتیں موجود ہیں جو انسان کو بارگاہ الٰہی میں اس کے انبیاء واولیاء سے توسل کا حق دیتی ہیں۔

لیکن ان دونوں آیتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ پہلی آیت میں مقصود بندگی وعبادت ہے جو خدا کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے لیکن دوسری آیتیں بیان کرتی ہیں کہ خداوند عالم نے اپنے انبیاء واولیاء کو وسیلہ قرار دیا ہے۔

وہابیت اور وہابیت سے متاثر تمام مسلمانوں کے لئے اس مشکل مسئلہ کی وضاحت کی خاطر بہتر ہوگا اس گفتگو کو ملاحظہ فرمائیں جو میرے اور ایک وہابی کے درمیان ہوئی یقیناً آپ سب کے لئے مفید ہوگی جسے میں بغیر کسی کی زیادتی کے پیش کررہا ہوں۔

۱۹۸۳ء کی بات ہے میں اسلام میں عورتوں کے حقوق کے عنوان سے

ایک مقالہ لکھنے میں مصروف تھا۔ اسی دوران بعض رسالوں کے مطالعہ کے درمیان مجھے پتہ چلا کہ جزائر (کومور) میں مسلمان عورت مرد پر برتری رکھتی ہے۔ (یعنی عورت راج، شاہی ہے) عورت ہی گھر بناتی ہے اس کے تمام وسائل مہیا کرتی ہے اور شادی کے بعد مرد کو رخصت کر کے اپنے گھر لاتی ہے اور اگر چاہے تو خود مرد کو طلاق دیتی ہے اور اپنے گھر سے باہر نکال دیتی ہے۔ یہاں تک کہ بازار میں بھی عورت کام کرتی ہے لیکن شوہر کا کام صرف دریا سے مچھلی شکار کرنا، کھیتوں میں کام کرنا، یا پھر اشیاء لا کے عورت کے حوالہ کرنے تک ہے تاکہ عورت اسے درست کر کے خرید و فروخت انجام دے۔ خلاصہ مرد راج، شاہی کے بجائے عورت راج، شاہی ہے۔

چنانچہ میں ایک پر مشقت سفر کر کے اس دیار میں پہنچا مجھے پتہ تھا کہ فرانس نے تین جزیروں کے خود مختار ہونے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ لیکن ایک جزیرہ کو روک رکھا ہے جزائر (کومور) عرب ممالک تنظیم کے رکن ہیں اور اس تنظیم کے تعاون سے بہرہ مند ہیں جس نے تیونس اور دوسرے ملکوں کے اساتذہ کی ایک تعلیمی کمیٹی بھیجی ہے۔ جو ان بچوں کو عربی سکھائے جو زیادہ تر عرب اور یمنی الاصل ہیں اور انھیں حضارمہ کہتے ہیں ان کے درمیان پیغمبر کی نسل سے سادات موجود ہیں۔ جو فرانسیسی اور مقامی زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی گفتگو کرتے ہیں اور سوائے شافعی مذہب کے اور کسی مذہب کو نہیں جانتے۔

ایئر پورٹ پر میری ملاقات ایک تیونسی استاد سے ہوئی جس سے میں بیس سال پہلے جوانوں کے ایک مرکز میں آشنا ہوا تھا۔ اسے میں پہچان گیا اور اس نے بھی مجھے پہچان لیا۔ اس نے اپنے گھر آنے کے لئے مجھے دعوت دی۔ اس کی بیوی بچے تیونس گئے ہوئے تھے اور وہ خود تنہا تھا میں نے بھی قبول کر لیا اور اس کے گھر چلا گیا۔

اس قیام کے درمیان میں قاضی القضات اور جناب مفتی صاحب سے آشنا ہوا اور ان کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو کی ان لوگوں نے بھی مجھ پر اعتماد کیا چونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ میں اہل بیتؑ کا پیرو ہوں اس لئے میرے دوست بن گئے۔ اور وہابی علماء کی شکایت کرنے لگے جو بڑی کثرت سے پیسہ اور کتاب لے کر آتے ہیں اور بہت سے جوانوں کو اپنی صف میں شامل کر لیا ہے اور کہنے لگے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جو اولادیں کل تک والدین کا احترام کرتی تھیں اور ان کے ہاتھ اور پیشانی کا بوسہ دیتی تھیں اب وہ ان پر برافروختہ ہوگئی ہیں اور یہ ادب جو کئی نسلوں سے انھیں ورثہ میں ملا تھا ترک کر بیٹھے ہیں۔ جب کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے:

جو بچوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے اور علماء کے حق کو نہ پہچانے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

(مسند احمد/ ج ۲، ص ۲۰۷: المعجم الکبیر/ ج ۱۱، ص ۴۴۹)

اور عرب شاعر نے کہا ہے:

معلم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اسکے احترام کا خیال رکھو اس لئے کہ معلم کا مقام پیغمبر کے مرتبہ سے قریب ہے۔

لیکن وہابی علماء علمائے شر ہیں جس وقت (وہابی) ہمارے پاس آئے تو ان کا ہدف یہ تھا کہ تمام اچھی عادتوں اور نیک آداب (کہ جن کی ہم نے تربیت پائی ہے) سے جنگ کریں گذشتہ وقتوں میں جب کوئی شخص شادی کرتا تھا اور صاحب فرزند ہوتا تھا تو اپنے باپ کے سر و صورت کا بوسہ دیتا تھا اور اس سے اپنے فرزند کے لئے دعا کی درخواست کرتا تھا اور اس کی رضائیت حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا تھا۔

لیکن آج ہماری اولادیں ہم سے لڑتی ہیں اور ہم پر شرک کی تہمت لگاتی ہیں اس لئے کہ کسی کا بھی ہاتھ چومنا اور خم ہو کر احترام کرنے کا مطلب غیر خدا

کے سامنے سجدہ کرنا ہے اور یہ شرک محض اور حرام ہے۔ خلاصہ جب سے یہ آئے ہیں باپ بیٹے کے درمیان نفرت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

﴿لاحول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم﴾

اس ملک کے ایک مفتی نے کہا کہ میں جزیرۂ (موروتی) میں ایک جدید مسجد کا افتتاح کرنے جا رہا ہوں آپ بھی چلیے۔ میں اور قاضی القضات جن کا نام عبد القادر گیلانی تھا مفتی صاحب کے وہاں گئے۔ جس وقت مہمانوں سے بھری ہوئی مسجد میں پہنچے تو مفتی نے ہمارا لوگوں سے تعارف کرایا اور کہا کہ اس مناسبت سے کوئی گفتگو کیجیے میں نے بھی قبول کیا اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا۔

اپنی تقریر میں اہل بیتؑ سے محبت مودّت خدا کے نزدیک ان کا عظیم مقام، ان کے متعلق رسولؐ کی گفتار کہ ان کی دوستی ایمان ہے اور ان سے دشمنی نفاق ہے پر تکیہ کرتے ہوئے ان کے دیگر فضائل ومناقب لوگوں کے لئے بیان کئے ان ذوات نے اسلام ومسلمین کے لئے جو عظیم خدمت کی ہے کے متعلق گفتگو کی اور اپنی تقریر کے اختتام پر اہل بیتؑ کے علم ودانش کے متعلق گفتگو کی کہ اس کائنات میں مشرق ومغرب کے تمام علمائے اسلام نے ان (اہل بیتؑ) سے استفادہ کیا ہے اور اگر یہ اہل بیتؑ نہ ہوتے تو ہرگز عوام اپنے دینی مسائل کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

جناب مفتی صاحب نے علماء میں سے ایک صاحب کو اپنے پاس بلایا جو میری باتوں کو ان کے لئے ترجمہ کر رہے تھے پروگرام کے اختتام پر لوگ میرے پاس آئے اور مجھے چومنے لگے وہ میرے لئے سلامتی اور میرے والدین کے لئے رحمت کی دعا کر رہے تھے۔

علمائے وہابیت میں سے ایک جو اپنی سلفی داڑھی اور سعودی لباس سے

نمایاں تھا۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے شیخ خدا سے خوف کھا ہم بھی اہل بیتؑ کو دوست رکھتے ہیں لیکن تو نے ان کی محبت اور بزرگی بیان کرنے میں غلو کیا ہے اور افراط سے کام لیا ہے۔

میں نے کہا: میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مجھے اسی محبت پر دنیا سے اٹھائے۔

اس نے کہا: آپ ہمارے مہمان ہیں۔

اس سے نجات پانے کے لئے میں نے کہا: میں مفتی صاحب کا مہمان ہوں۔

اس نے کہا: کل ملاقات ہوگی

میں نے کہا: کل تونسی اساتذہ کے یہاں مہمان ہوں۔

اس نے کہا: وہ سب ہمارے دوست ہیں اور وہیں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

وہابی عالم سے گفتگو

میرے تونسی دوست نے مجھے بتایا کہ اس کا سعودی دوست (یعنی وہی وہابی) کل آئے گا اور آپ سے علمی بحث وگفتگو کرے گا۔ اسی لئے میں نے اساتذہ کے ایک گروہ کو دعوت دی ہے کہ اس بحث میں شرکت کریں اور بہی مستفید ہوں۔ ماحضر کا بھی انتظام کیا ہے چونکہ یہ چھٹی کا دن ہے اور ایسی مجلس کے ہم بہت زیادہ مشتاق ہیں۔

اس نے مزید کہا کہ ہم چاہتے ہیں آپ اس پر غلبہ پائیں اور ہمیں سربلند کریں اس لئے کہ وہ کسی کو مجال سخن نہیں دیتا: مقررہ وقت پر سارے اساتذہ اس وہابی عالم کے ساتھ گھر پر تشریف لائے وہ سات آدمی تھے اور صاحب خانہ اور مجھے ملا کر نو (۹) آدمی ہوگئے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد بحث شروع ہوئی۔ موضوع بحث خدا اور بندہ کے بیچ وساطت اور توسل تھا۔ میں قائل تھا کہ خدا تک رسائی میں اس کے انبیاء اولیاء اور اس کے صالح بندوں کی وساطت و وسیلہ صحیح ہے اور ممکن ہے کہ بہت سے گناہ اور دنیاوی مشغولیتیں انسان کی دعا کو اوپر نہ جانے دیں۔ پس ان کو جو اولیاء خدا اور اس کے دوست ہیں شفیع اور وسیلہ بنانے سے انسان کی دعا مستجاب ہوجائے گی۔

اس نے کہا: یہ شرک ہے اور خدا ہرگز اس کو نہیں بخشے گا جو اس کے لئے شریک قرار دے۔

میں نے کہا: یہ بات شرک ہے تو اس پر آپ کی دلیل کیا ہے؟

اس نے کہا: خداوند عالم فرماتا ہے:

بے شک مسجدیں خدا کیلئے ہیں پس کسی اور کو اس کے ساتھ دعا میں شامل نہ کرو (جن/۱۸)

یہ آیت غیر خدا سے دعا نہ کرنے پر صراحت رکھتی ہے۔ اور جو بھی غیر خدا سے دعا کرے اس نے اسے خدا کا شریک بنایا کہ وہ نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے جبکہ نفع یا نقصان پہنچانے والا صرف پروردگار ہے۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کی بات کی تعریف کی اور اس کی تائید کرنا چاہی۔ لیکن صاحب خانہ نے اس سے کہا چپ رہو! میں نے تم لوگوں کو جدال و مقابلہ کے لئے دعوت نہیں دی ہے۔ بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ ان دو دانشوروں کی باتوں کو سنو۔ اس تیونسی (مجھ) کو ایک مدت سے پہچانتا ہوں۔ لیکن مجھے بھی اچانک پتہ چلا کہ وہ شیعہ اور اہل بیتؑ کا پیرو ہے اور اس سعودی دوست کو بھی سب پہچانتے ہیں اور اس کا عقیدہ بھی سب پر واضح ہے۔ لہٰذا بہتر ہے ان دونوں کی باتوں کو غور سے سنیں اور جب ان کے استدلال تمام ہوجائیں تو دوسروں کیلئے بحث کا میدان کھلا ہوگا۔

اس پیاری روش کا ہم نے شکریہ ادا کیا اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: میں آپ سے اس مسئلہ میں متفق ہوں کہ خدا ہی نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نقصان یا نفع پہنچانے والا نہیں ہے۔ اور مسلمانوں میں اس بابت آپ کا کوئی مخالف نہیں ہے۔ لیکن ہمارا اختلاف توسل سے متعلق ہے۔ مثلاً اگر کوئی رسولؐ خدا کو وسیلہ بناتا ہے تو اسے اچھی طرح علم ہے کہ محمدؐ خدا سے ہٹ کر، نہ نفع پہنچاسکتے ہیں نہ نقصان، ہاں خدا کے نزدیک ان کی دعا مستجاب ہے۔ پس اگر خدا سے پیغمبرؐ عرض کریں کہ پروردگار اپنے اس بندہ پر رحم کر، اس سے درگذر فرما۔ اور بے نیاز کردے۔ تو خدا بھی ان کی دعا کو مستجاب کرتا ہے اور اس باب میں بہت سی صحیح روایتیں موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ کا ایک صحابی نابینا

تھا آپ کے پاس آیا اور آپ سے عرض کی کہ: خدا سے دعا کریں کہ وہ اس کی بینائی واپس کردے۔

رسولؐ خدا نے اس سے فرمایا:

وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اور خدا سے دعا کرو "پروردگار! میں تجھے تیرے حبیب محمدؐ کا واسطہ دیتا ہوں اور انھیں وسیلہ بنا کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بینائی واپس کردے۔" (تاریخ کبیر/ج۶،ص۲۰۹/ ح۲۱۹۲)۔

پس اس کو بینائی واپس مل گئی۔

اسی طرح ثعلبہ، فقیر ونادار صحابی آنحضرتؐ کے پاس آیا اور آپ سے درخواست کی کہ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے بے نیاز کردے اس لئے کہ میں صدقہ اور خیرات دینا اور صالح بننا پسند کرتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے بھی خدا سے دعا کی اور خدا نے دعا مستجاب فرمائی۔ ثعلبہ ثروت مند ہوگیا اور اس کی ثروت اتنی زیادہ ہوگئی کہ اس کے پاس مسجد آنے کے لئے بھی وقت نہ تھا۔ اور وہ زکواۃ بھی ادا نہیں کرتا تھا۔

(الاصابہ/ج۱،ص۱۹۸)۔ اس کا قصہ مشہور ہے اور سبھی جانتے ہیں۔

ایک روز آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان بہشت کی تعریف وتوصیف فرمارہے تھے۔ عکاشہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور عرض کی:

"اے رسولؐ خدا دعا کیجیے، خدا ہمیں ساکنانِ بہشت میں قرار دے۔"

رسولؐ خدا نے فرمایا:

"پروردگار! اسے ان میں سے قرار دے۔"

ایک دوسرے صاحب اٹھے اور انھوں نے بھی یہی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا:

عکاشہ نے تم پر سبقت لی (مسند احمد/ج۱،ص۴۵۴)

ان تینوں روایتوں میں واضح دلیل موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے خود کو خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ قرار دیا۔

وہابی! اٹھ کر فوراً بول پڑا:

میں قرآن سے استدلال کر رہا ہوں اور یہ ہمارے لئے حدیث پڑھ رہے ہیں! ضعیف حدیثیں جن کی کوئی اہمیت نہیں!

میں نے کہا: قرآن کریم فرماتا ہے:

اے مومنو! تقویٰ الٰہی اختیار کرو۔ اور خدا سے تقرب کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔ (مائدہ/۳۵)

اس نے کہا: وسیلہ وہی عمل صالح ہے۔

میں نے کہا: عمل صالح سے متعلق محکم آیتیں زیادہ ہیں اور ان میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿الذین آمنوا وعملوا الصالحات﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے (بقرہ/۲۵)۔

لیکن اس آیت میں فرماتا ہے:

﴿وابتغوا الیہ الوسیلہ﴾ اس کے تقرب کیلئے وسیلہ ڈھونڈ لو۔

اور دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿یبتغون الی ربھم الوسیلة﴾ وہ خود اپنے پروردگار تک رسائی کے لئے وسیلہ کی تلاش میں ہیں۔ (بنی اسرائیل/۵۷)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تک رسائی کے لئے وسیلہ پر بحث تقویٰ اور عمل صالح کے ہمراہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتا ہے:

﴿یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ﴾ پس ایمان وتقویٰ کو وسیلہ پر تقدم حاصل ہے۔ (مائدہ/۳۵)۔

اس نے کہا: اکثر علماء نے وسیلہ کو عمل صالح سے تفسیر کیا ہے۔

میں نے کہا! علماء کے سخن اور انکی تفسیر سے دست بردار ہوجایئے اور یہ بتایئے کہ اگر قرآن کے ذریعہ وسیلہ کو آپ کے لئے ثابت کردیا تو کیا قبول کریں گے؟

اس نے کہا: محال ہے مگر کوئی دوسرا قرآن ہو کہ جس سے ہم بے خبر ہیں۔
میں نے کہا: میں آپ کے اشارہ کو پوری طرح سمجھ رہا ہوں۔ خدا آپ کو معاف کرے۔ اور میں آپ کے لئے اسی قرآن سے ثابت کروں گا کہ جسے ہم سبھی جانتے ہیں۔ پھر میں نے آیت کی تلاوت کی:

(یعقوب کے فرزندوں نے) کہا: اے ہمارے بابا جان! اپنے رب سے ہمارے گناہوں کے لئے مغفرت کی دعا کیجیے کیونکہ ہم غلطی پر تھے۔

(حضرت یعقوب نے) کہا: میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا وہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (یوسف/ ۹۷-۹۸)

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ خود خدا سے طلب مغفرت کرو اور مجھے اپنے اور اپنے خالق کے درمیان واسطہ نہ بناؤ۔ بلکہ اس کے برعکس اس واسطہ کی تائید کی اور فرمایا: میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت طلب کرونگا اور خود کو اپنے بیٹوں اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیا۔

وہابی عالم بری طرح گھبرا گیا چونکہ اسے معلوم تھا کہ ان آیات میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ اس کی تاویل نہیں کرسکتا۔ تو کہنے لگا ہمیں یعقوبؑ سے کیا واسطہ وہ بنی سرائیل کے نبی تھے اور ان کی شریعت اسلام کے آنے کے بعد تمام ہوگئی۔

میں نے کہا: کیا میں شریعت اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد بن عبداللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل لاؤں؟
اس نے کہا: ہم سننے کو تیار ہیں۔ میں قرآن کی تلاوت کی:

﴿ولو انهم اذظلموآ انفسهم جآءُوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابآً رحيما﴾ (نساء/ ۶۴)

اور (اے رسولؐ) جب لوگوں نے نافرمانی کرکے اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کیا اور اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور خدا سے معافی مانگی اور اے رسولؐ تم سے بھی درخواست کی کہ ان کے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا سے دعا کرو تو بلاشبہ وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

خداوند عالم انھیں یہ حکم کیوں دے رہا ہے کہ رسول خداؐ کے پاس آئیں اور آنحضرتؐ کے حضور میں استغفار کریں۔ اور پھر آنحضرتؐ ان کے لئے طلب مغفرت کریں؟ یہ واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ ان کے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہیں اور خداوند عالم انھیں معاف نہ کریگا مگر صرف آنحضرتؐ کے وسیلہ سے۔

حاضرین نے کہا اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہے۔

وہابی جوکہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا اور اپنی شکست کو قطعی سمجھ رہا تھا کہنے لگا: یہ بات صحیح ہے لیکن اس وقت آنحضرتؐ زندہ تھے مگر اب تو ان کو مرے ہوئے چودہ صدیاں بیت چکی ہیں!!

میں نے حیرت سے کہا: آپ کیسے کہتے ہیں وہ مُردہ ہیں؟ رسولؐ خدا زندہ ہیں اور ہرگز نہیں مرسکتے۔

میری بات پر وہ ہنسا اور مذاق اڑانے کے انداز میں کہنے لگا۔ قرآن نے بھی کہا ہے:

تم مرجاؤ گے اور وہ بھی مرجائیں گے۔ (زمر/ ۳۰)۔

میں نے کہا: قرآن یہ بھی تو کہتا ہے:

جو راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں انھیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔ (آل عمران/۱۶۹)

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

جو راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔ (بقرہ/۱۵۴)

کہنے لگا: یہ آیات ان شہدا کے بارے میں ہے جو راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں اس کا محمدؐ سے کیا ربط؟!

میں نے کہا: ﴿سبحان اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ﴾

آپ پیغمبرؐ جو کہ حبیب خدا ہیں ان کے مرتبہ کو شہدا سے بھی کم سمجھتے ہیں؟ اور ان کی منزلت کو اس طرح کم کرتے ہیں؟ شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احمد بن حنبل تو شہید مرے اور زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس روزی پا رہے ہیں لیکن محمدؐ دوسرے مردوں کی طرح ہیں؟!

اس نے کہا: یہ وہی چیز ہے جسے قرآن بیان فرماتا ہے۔

میں نے کہا: خدا کا شکر کہ اس نے آپ لوگوں کی اصلیت ہم پر واضح کردی اور خود آپ کی زبان سے آپ کی حقیقت سے ہم آشنا ہوئے۔ ہاں آپ لوگوں نے پوری کوشش کی کہ رسول خداؐ کے آثار کو مٹا ڈالیں یہاں تک کہ ان کی قبر کو بھی مٹانا چاہتے تھے اور جس گھر میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے تھے اسے بھی مسمار کردیا۔

اتنے میں صاحب خانہ نے مداخلت کی اور مجھ سے کہا: مہربانی کرکے قرآن وسنت کے دائرہ سے باہر نہ ہوئیے اور ہمارے درمیان طے بھی یہی تھا۔

میں نے معذرت چاہی اور کہا: اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے حیات پیغمبرؐ کے وقت ان کے وسیلہ کا اقرار کرلیا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد منکر ہیں۔

حاضرین نے کہا تو آپ حیات پیغمبرؐ کے وقت وسیلہ کے جواز کے معترف ہیں؟

اس نے کہا: ہاں۔ آنحضرت کی حیات کے زمانہ میں جائز تھی۔ لیکن وفات کے بعد نہیں۔

ہم نے کہا: الحمدللہ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ وہابیت نے وسیلہ کا اعتراف کیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

میں نے کہا: اجازت دیجئے تو اب میں یہ بھی کہتا ہوں کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد بھی وسیلہ جائز ہے۔

وہابی نے کہا: خدا کی قسم وسیلہ جائز نہیں ہے شرک ہے!

میں نے کہا: صبر کیجیے! اور عجلت سے کام نہ لیجئے۔ اور قسم بھی نہ کھائیے اس لئے کہ ندامت ہوگی۔

اس نے کہا: قرآن سے دلیل پیش کرو۔

میں نے کہا: آپ تو محال کی فرمائش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہوگیا۔ لہٰذا احادیث کی کتابوں سے استدلال پیش کروں گا۔

اس نے کہا: ہم حدیث قبول نہیں کرتے۔ مگر یہ کہ صحیح ہو اور جو کچھ شیعہ نقل کرتے ہیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

میں نے کہا: کیا آپ صحیح بخاری کو قبول کرتے ہیں؟ وہی کتاب جو آپ کے یہاں قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب ہے۔

وہ تعجب سے کہنے لگا: کیا بخاری وسیلہ کو جائز سمجھتے ہیں؟

ہم نے کہا: ہاں! لیکن افسوس کہ آپ لوگ خود اپنی کتب صحاح نہیں پڑھتے اور خود اپنے نظریوں سے تعصب برتتے ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا، حضرت عمرؓ بن خطاب، عباسؓ بن عبدالمطلبؓ کے پاس آتے اور آپ سے طلب باراں کے لئے کہتے اور خود بھی کہتے: پروردگارا ہم آنحضرتؐ

کے زمانہ میں آنحضرتؐ کو وسیلہ قرار دے کر تجھ سے طلب کرتے تھے اور تو بھی ہم پر بارش نازل کرتا تھا۔ آج رسولؐ کے چچا کو وسیلہ بناتا ہوں پس ہم پر بارش نازل کر۔ راوی کہتا ہے کہ پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا۔

(صحیح بخاری/ج۵/ص۲۵۔ کتاب بدء الخلق۔ باب مناقب جعفر بن ابی طالب)۔

پھر ہم نے کہا: یہ ہیں عمرؓ بن خطاب! جو کہ آپ کے درمیان سب سے بزرگ وبرتر صحابی رسولؐ ہیں اور ان کے عقیدہ وایمان کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرتے اس لئے کہ خود آپ کہتے ہیں:

اگر آنحضرتؐ کے بعد کوئی پیغمبرؐ ہوتا تو وہ عمرؓ بن خطاب تھے اور آپ اس وقت دو باتوں کے درمیان مجبور ہیں کہ کسی ایک کو قبول کریں۔ یا یہ کہ وسیلہ وتوسل دین اسلام کا اہم جزو ہے اور حضرت عمرؓ بن خطاب کا رسولؐ اور رسولؐ کے چچا سے توسل کرنا صحیح تھا یا پھر یہ کہیۓ کہ حضرت عمرؓ مشرک ہیں۔ اس لئے کہ عباس بن عبدالمطلبؓ کو اپنا وسیلہ بنایا جبکہ عباسؓ نہ پیغمبر ہیں نہ امام حتیٰ کہ اہل بیتؑ میں بھی داخل نہیں ہیں۔ جن سے خدا نے ہر قسم کی پلیدی وکثافت کو دور کیا اس کے علاوہ آپ کے یہاں بخاری امام المحدثین ہیں اور انھوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا تھا وہ حضرت عباسؓ سے متوسل ہوتے پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا۔ یعنی خداوند عالم ان کی دعا کو مستجاب کرتا تھا۔ پس بخاری اور صحابہ میں وہ محدثین جنھوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے بھی اہل سنت الجماعت ہیں یہ سب مشرک ہیں؟

وہابی نے کہا: اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ تیرے برخلاف دلیل ہے نہ کہ تیرے حق میں۔

میں کہا کس طرح؟

کہنے لگا: اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے رسولؐ سے توسل نہ کیا اس لئے کہ وہ مرچکے تھے بلکہ عباس کو وسیلہ بنایا اور وہ زندہ تھے۔

میں نے کہا: میں عمرؓ بن خطاب کے قول وعمل کے لئے کسی قدر وقیمت کا قائل نہیں ہوں۔ اور ہرگز اسے اپنی لئے دلیل نہیں بناتا لیکن اس روایت کو پیش کیا تاکہ موضوع بحث پر استدلال کروں۔ البتہ میں پوچھتا ہوں کہ کیوں عمرؓ بن خطاب نے قحط کے زمانے میں علی بن ابی طالبؑ سے توسل نہ کیا۔ جن کی منزلت رسولؐ کے نزدیک ایسی تھی جیسی ہارونؑ کی موسیٰؑ کے نزدیک اور مسلمانوں میں کسی نے نہیں کہا کہ عباسؓ بن عبدالمطلب علیؑ سے افضل ہیں۔ لیکن یہ ایک دوسرا موضوع ہے جس کی بحث کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔ صرف اس پر اکتفاء کرتا ہوں کہ آپ کہتے ہیں کہ زندوں سے توسل جائز ہے۔ اور یہی ہمارے لئے بڑی کامیابی ہے خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے ہماری دلیل کو قاطع قرار دیا اور آپ کی دلیل کو باطل کیا اور جب ایسا ہے تو میں آپ لوگوں کے حضور میں توسل کرتا ہوں۔

اس وقت میں بیٹھا تھا فوراً اٹھا اور روبہ قبلہ ہوکر کہنے لگا: پروردگار میں تجھ سے دعاگو ہوں اور تجھ سے تیرے صالح ونیک بندے امام خمینیؒ کو وسیلہ قرار دے کر قربت چاہتا ہوں۔

اچانک وہابی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور تعجب وغصے کے ساتھ اعوذ باللہ! اعوذ باللہ! کہتا ہوا تیزی سے باہر چلا گیا۔

حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیسا بدبخت آدمی تھا کس درجہ ہم سے بحث کرتا تھا اور ہم پر تنقید کرتا تھا اور ہم خیال کرتے تھے ذی علم آدمی ہے لیکن پتہ چلا کوڑی کا بھی نہیں ہے۔

ان میں سے ایک نے کہا ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ پروردگار! تیری

طرف پلٹتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہم سے کہنے لگا۔ اس کی بات کس درجہ ہم پر اثر کرتی تھی۔ حتیٰ کہ آج بھی میں نے اس کی بات کو پسند کیا تھا کہ توسل خدا کی نسبت شرک ہے اور اگر میں اس جلسہ میں حاضر نہ ہوتا تو اسی گمراہی پر باقی رہتا۔ (خدا کا شکر)۔

اے رسول کہہ دیجئے حق آیا اور باطل گیا بے شک باطل مٹ جانے والا ہے۔ (اسراء/۸۱)

وہابیت پر رسول خداؐ کی رد

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن نے خدا اور بندہ کے درمیان وساطت و وسیلہ کا اقرار کیا ہے اور اسے حرام نہیں سمجھا ہے اور نہ ہی رسول خداؐ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے بلکہ اسے مباح ومستحب سمجھا ہے۔ قرآن نے پیغمبرؐ کے قول وفعل کو ہمارے لئے حجت اور اُسوہ قرار دیا ہے تاکہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کی پیروی کریں اور ترقی پائیں۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اور بے شک عمل رسول تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے (احزاب/۲۱)۔

اس طرح ہم اقوال وافعال رسول خداؐ کے ذریعہ استدلال کریں گے۔ اور اس استدلال میں نہ تو شیعہ کتابوں کی طرف رجوع کریں گے اور نہ ہی کتب اہل سنت کی طرف رجوع کریں گے بلکہ صرف اور صرف صحیح بخاری کی روایتوں پر تکیہ کریں گے تاکہ وہابیت پر رد مضبوط اور قوی ہو۔ جس کے بعد اگر وہ با انصاف ہیں تو بات نہیں کر سکتے۔ ورنہ بلاشبہ ان کی دشمنی اور اندھا تعصب انھیں لوگوں کے درمیان خود ہی رُسوا اور خوار کردے گا۔

اب جبکہ ہم کتاب وسنت کے ذریعہ توسل کے جواز اور اس کی شرعی حیثیت کو ثابت کر چکے ہیں تو ایک دوسرے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں جو وہابیت کی نظر میں بہت ہی برا اور ممنوع ہے۔ اور وہ شفا اور حاجتوں کے پوری ہونے کی غرض سے متبرک چیزوں کو چومنا اور مس کرنا ہے۔

اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حجاج بیت اللہ کو آنحضرت کی ضریح پر ہاتھ پھیرنے اور بوسہ دینے پر مارا جاتا ہے اور مشرک کا الزام لگایا جاتا ہے۔

موئے مبارک رسولؐ خدا کا احترام

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کا عمل وہابیوں کے لئے حجت ہے اس لئے کہ وہابی تمام صحابہ کی عدالت کے معتقد ہیں۔ بلکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ صحابہ کے آثار کی پیروی و اتباع کرتے ہیں اور خود کو سلفی کہتے ہیں۔ یعنی وہ سلف صالح کی پیروی کرتے ہیں اور تمام صحابہ کو صالح اور نیک سمجھتے ہیں۔

بخاری نے اپنی صحیح میں مالک بن اسماعیل سے اور انھوں نے اسرائیل سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: رسول خداؐ کے موئے مبارک ہمارے پاس ہیں جو انس سے یا انس کے خاندان کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ (عبیدہ نے) کہا:

اگر آنحضرتؐ کا ایک بال بھی ہمارے پاس ہو تو دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ج۱/ص ۵۴۔ کتاب الوضوء)

اس طرح بخاری نے محمد بن عبد الرحیم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے سعید بن سلیمان نے اور انھوں نے عقاد سے اور انھوں نے ابن عون سے اور انھوں نے ابن سیرین سے اور انھوں نے انس سے نقل کیا ہے کہ (جس وقت رسول خداؐ نے اپنے سر کے بال بنوائے تو ابوطلحہ سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کے کچھ بال اٹھالئے)۔ (صحیح بخاری، ج۱ ص ۵۴ کتاب الوضو)۔

پس اگر انس بن مالک، رسول خداؐ کے صحابی، آنحضرتؐ کے موئے مبارک کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں اور اس کو بطور ہدیہ اپنے دوستوں اور رشتہ

داروں کو پیش کرتے ہیں اور اگر وہ صحابی کہتا ہے کہ اگر نبیؐ کا ایک بال میرے پاس ہو تو میرے لئے دنیا ومافیہا سے بہتر ہے تو خدا کی قسم یہ اس بات پر ایک واضح دلیل ہے کہ اصحاب رسولؐ آنحضرتؐ کی چیزوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔ اور یہ وہابیت کے اوپر رد ہے۔ جو رسولؐ خدا کے آثار سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے حاجیوں اور خانۂ خدا کے زائروں کو کوڑے مارتے ہیں اور ان کی اہانت کرتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب ﴿پھر میں ہدایت پاگیا﴾ میں اس دلچسپ واقعہ کو نقل کیا ہے کہ جس وقت ایک شیعہ عالم دین (علی شرف الدین) نے سعودی بادشاہ کو ایک قرآن ہدیہ میں دیا تو بادشاہ نے قرآن کی جلد کو چوما اور تعظیم کے لئے اپنے چہرہ پر رکھا۔

اس پر شیعہ عالم دین بولے: قرآن کی جلد کو کیوں چومتے ہو اور اسے کیوں بوسہ دیتے ہو؟

بادشاہ نے کہا: کیا آپ نے نہیں کہا کہ اس میں قرآن ہے؟

شیعہ عالم نے کہا: قرآن اس کے اندر ہے اور تم نے تو قرآن کو بوسہ نہیں دیا؟

بادشاہ نے کہا: قرآن کی جلد کو بوسہ دینے سے ہماری مراد وہی قرآن ہے جو جلد کے اندر ہے۔

تو اس شیعہ عالم نے کہا: ہم لوگ جب نبیؐ کی ضریح کی جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ یہ لوہا ہے اور نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن ہمارا مقصد ان جالیوں کے اندر قبر رسولؐ ہے۔

بعد وفات آنحضرتؐ کے آثار کا احترام

میں نے اس موضوع پر اہل سنت کی کتابوں میں بیس سے زیادہ روایتیں دیکھی ہیں۔ جن میں آثار رسولؐ کو تمام صحابہ اور بالخصوص خلفاء نے متبرک قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ میں نے وعدہ کیا ہے کہ بخاری کی صرف ایک یا دو روایت پر اکتفا کروں گا۔ اور خود بخاری نے اس کی روایات میں دقت سے کام لیا ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں رسولؐ کی زرہ، آپ کے عصا، آپ کے تلوار، آپ کے گلاس، آپکی انگوٹھی اور آپ کے بعد خلفا جن چیزوں سے استفادہ کرتے تھے، اسی طرح آنحضرتؐ کے موئے مبارک، نعلین اور ظروف اور آپ کی وفات کے بعد اصحاب نے آپ کی جن چیزوں کو متبرک قرار دیا ہے، اس ذیل میں پورا ایک باب ان سے مخصوص قرار دیا ہے۔ (۵۸)

اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں زبیر سے نقل کیا ہے کہ ہم نے روز بدر عبیدہ بن سعید بن عاصؓ سے ملاقات کی۔ اس نے آہنی لباس پہن رکھا تھا اور صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں اس کو (ابوذات الکرش) کہہ کر بلاتے تھے۔

اس نے کہا:

میں ابوذات کرش ہوں میں نے بھی اس پر حملہ کیا اور ہاتھ کی چھڑی جس کے آخر میں تیز لوہا لگا ہوا تھا اس کی آنکھ میں دے ماری اور اسے قتل کر ڈالا۔

ہشام کہتے ہیں:

زبیر کا بیان ہے کہ میں نے اسے اپنے پیروں تلے لاکر دبایا اور پوری

قوت سے اس چھڑی کو باہر کھینچا۔ اس کے دونوں کنارے ٹیڑھے ہوگئے تھے۔ عروہ نے کہا میں نے اسے آنحضرتؐ سے مانگا، پس آنحضرتؐ نے اسے دے دیا۔ اور جس وقت آنحضرتؐ نے وفات فرمائی تو حضرت ابوبکرؓ نے اسے مانگ لیا اور جس وقت حضرت ابوبکرؓ دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے طلب کر لیا ان کے مرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مانگا اور انھیں دے دی گئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد خاندان علیؑ کے پاس آ گئی۔ پھر عبداللہ بن زبیر نے مانگا اور انھیں دے دی گئی اور انھیں کے پاس تھی یہاں تک کہ وہ بھی قتل کردیئے گئے۔ (۵۹)

ایک ضروری وضاحت

اس روایت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خود رسول خداؐ نے زبیر کے اس عصا کا احترام کیا جس سے زبیر جنگ میں طاقتور دشمنوں کو قتل کیا کرتے تھے، ابوعبیدہ بن سعید بن عاص، جس نے زرہ پہن رکھی تھی تا کہ تلوار او رنیزہ سے محفوظ رہے اور سوائے آنکھوں کے کوئی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن زبیر نے عصا کے ذریعہ اس کی آنکھ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا اور پھر پوری قوت لگا کر اسے باہر نکالا۔

سچ یہ تو بڑا عجیب وغریب عصا ہے۔ کہیں عصائے حضرت موسیٰؑ کی نسل سے تو نہیں ہے۔ جس کو موسیٰؑ نے دریائے نیل پر مارا تھا اور اسی کے مارنے سے بارہ چشمے بھی پھوٹ پڑے تھے۔ سبحان اللہ!

پھر تو تعجب کی جگہ نہیں کہ پیغمبرؐ اس کو زبیر سے مانگیں تا کہ اس سے تبرک حاصل کریں یا پھر وہ چاہتے تھے اس احترام کے جواز کو سمجھائیں اور یہی احتمال قوی ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ آنحضرتؐ کے بعد تمام خلفاء نے وہ عصا طلب کیا اور ان کی عمر کے آخری لمحہ تک ان کے ساتھ رہا۔ اور بالآخر عبداللہ بن زبیر کو واپس مل گیا۔ اور وہ اس کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ وہ ان

کے باپ کی میراث شمار ہوتا تھا۔

بہر حال قرآن مجید میں ایسے بہت سے اشارے موجود ہیں جو انبیاء و مرسلین اور ان سے مربوط اشیاء کے احترام سے متعلق ہیں۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ:

> موسیٰ نے سامری سے کہا: یہ تو نے کیسا فتنہ پھیلا دیا؟
>
> سامری نے کہا: میں نے حق کے رسول (حضرت جبرائیلؑ) کے قدم کے کچھ اثرات دیکھے۔ جسے دوسروں نے نہیں دیکھا لہٰذا میں نے اسے اٹھا کر گوسالہ میں ڈال دیا اور مجھے اس پر میری نفسانی خواہش نے آمادہ کیا۔ (طٰہٰ/۹۶-۹۵)

جس چیز کو دوسروں نے نہیں دیکھا اور سامری نے دیکھا، شاید اسی کی وجہ سے اس نے فرشتہ کے قدم کے بچے ہوئے آثار سے معجزہ پیش کر دیا۔ لہٰذا اس نے جبرائیلؑ کے قدموں کی مٹی اُٹھالی اور اس کو گوسالہ میں ڈال کر بنی اسرائیل کو گوسالہ کی عبادت کی طرف پلٹانا چاہا اور اس داستان میں تاکید ہوئی ہے کہ اس کی بعض کرامتوں اور معجزات سے جس کی بنی اسرائیل پیروی کرتے تھے مغرور ہو گئے تھے۔

قرآن مجید میں انبیاء کے آثار سے تبرک و شفا حاصل کرنے کے مزید اشارے موجود ہیں چنانچہ سورۂ یوسف میں ملتا ہے کہ:

حضرت یوسفؑ نے کہا:

> میرا کرتا اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دینا تاکہ وہ پھر بینا ہو جائیں اور جس وقت بشیر نے آکر کرتے کو باپ کے چہرہ پر ڈالا تو اچانک والد بزرگوار (حضرت یعقوبؑ) کی آنکھوں کی روشنی واپس آگئی۔ اور وہ ان سے کہنے لگے۔ کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اپنے رب کی جانب سے وہ چیز جانتا ہوں جسے تم

> نہیں جانتے۔ (یوسف/۹۶-۹۳)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی بینائی کھو دی تھی اور حضرت یوسفؑ نے بشیر سے جس طرح اور جو کہا وہی ہوا۔

گرچہ ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کی بینائی کو خداوند عالم یوسفؑ کے کرتے کے بغیر بھی پلٹا سکتا تھا اور وہ معبود اس بات پر قادر تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے عصا مارے بغیر پتھروں سے چشمہ جاری کر سکتا تھا۔ اور اسی طرح اس بات پر بھی قادر تھا کہ وہ گائے (کہ جس کو ذبح کرنے کا بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا) کے بعض حصوں کو مردہ پر ڈالے بغیر مردہ کو زندہ کر دے۔ (۶۰)

لیکن خداوند عالم نے ان تمام کاموں کے لئے وسیلہ قرار دیا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ خدا کی خلقت کے درمیان وسیلہ و واسطہ اس کی سنت ہے اور ہرگز شرک نہیں ہے جیسا کہ وہابیت مدعی ہے۔

> یہ ہماری کتاب ہے جو تم سے حق کہتی ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اسے ہم لکھتے ہیں پس جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے ان کو پروردگار عالم اپنی رحمت میں شامل کر لے گا۔ اور یہ واضح کامیابی ہے۔ لیکن جو کافر ہو گئے۔ تو کیا ہماری آیات تمہارے لئے تلاوت نہ کی جاتی تھیں پھر کیوں گناہ کیا؟ اور متکبر ہو گئے (بلا شبہ) تم ظلم کرنے والا گروہ بن گئے۔ (جاثیہ/۳۱/۲۹)

پیغمبرؐ تبرک اور احترام کو جائز سمجھتے ہیں!

بعض منکرین کا یہ کہنا کہ متبرک چیزوں سے برکت حاصل کرنا بدعت ہے اور اس کے موجد بعض اصحاب یا تابعین، ہیں۔ اس مقولہ کا فریب نہ کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ یا تو وہ حقائق سے نابلد ہیں یا پھر نئے مذہب وہابیت کی وجہ سے تعصب کرتے ہیں۔

مذہب وہابیت خود بدعت ہے اور کیا ہی بڑی بدعت ہے! یہ کیسا مذہب ہے جو ایک جھوٹے اور باطل شبہ کی بنیاد پر مسلمانوں پر شرک کی تہمت لگاتا ہے؟

رسول خداؐ نے اپنے اصحاب کو متعدد مقامات پر برکت حاصل کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی موافقت فرمائی ہے بلکہ اسے تو مستحب جانا ہے۔ لہٰذا صحابہؓ آنحضرتؐ کے بعد انکی چیزوں سے تبرک حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں آدم سے نقل کیا ہے کہ شعبہ نے کہا کہ حکم نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے سنا ابو جحیفہ نے کہا:

> ایک گرم دن میں ظہر کے وقت رسول خداؐ ہمارے پاس تشریف لائے، پانی لایا گیا کہ حضرتؐ وضو فرمائیں، آنحضرتؐ نے وضو کیا، آنحضرتؐ کے وضو کرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے اس پانی کو لیا اور اپنے سر اور چہرے پر ملا۔
>
> پیغمبرؐ نے ظہر کی نماز دو رکعت اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی جبکہ آنحضرتؐ کے سامنے عصا رکھا ہوا تھا، ابو موسیٰ کہتے ہیں: پیغمبرؐ نے

پانی مانگا۔ اور آپؐ کے لئے ایک برتن میں پانی لایا گیا، آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ منہ اس سے دھویا اور آب دہن اس برتن میں ڈال دیا اور پھر ان دونوں سے فرمایا: اس پانی کو پیو اور اپنے سینے اور چہرے پر ملو۔ (۶۱)

بخاری نے اپنی صحیح میں ایک دوسری حدیث پیش کی ہے جو اس سے کہیں واضح ہے۔ اس بحث کے خاتمہ پر اس کا بیان کرنا بھی برا نہ ہوگا۔

بخاری کہتے ہیں:

> ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ میں جعرانہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان) میں آنحضرتؐ کے پاس تھا بلال بھی ساتھ تھے ایک بدو عرب آنحضرتؐ کے پاس آیا، اس بدو عرب نے کہا: آپؐ نے ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اسے پورا کریں گے؟
>
> حضرتؐ نے فرمایا: ہاں تمہیں بشارت ہو۔
>
> بدو عرب نے کہا: بہت بشارت بشارت لگا رکھی ہے۔ پیغمبرؐ ابو موسیٰ اور بلال کے پاس غصہ کی حالت میں وارد ہوئے اور کہا اس نے بشارت کو رد کردیا ہے پس تم اس بشارت کو لے لو۔
>
> انھوں نے کہا: ہم نے قبول کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے ایک ظروف میں پانی منگایا اور پھر اس سے اپنے ہاتھ اور منہ کو دھویا اور اس پانی میں آب دہن ڈال دیا اور فرمایا اسے پی جاؤ اور اسے سینہ اور چہرے پر مل لو تمہیں بشارت ہو۔
>
> انھوں نے پانی کے اس برتن کو لیا اور وہی کیا جس کا آپؐ نے حکم فرمایا تھا۔
>
> حضرت اُم سلمہ نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا کہ تھوڑا سا اپنی ماں کے لئے بھی چھوڑ دینا۔ تو انھوں نے تھوڑا سا پانی اُم سلمہ کے لئے الگ کردیا۔ (صحیح بخاری/ ج۵ / ص ۱۹۹ ۔ کتاب مغازی باب غزوۂ

طائف ماہ شوال)۔

یہ روایات نہ صرف تبرک حاصل کرنے پر پیغمبرؐ کے اعتراف و اقرار کو ثابت کرتی ہیں بلکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ جس پانی سے اپنا ہاتھ منہ دھوتے ہیں اور اس میں آب دہن ملاتے ہیں اسی کو اپنے اصحاب کو پینے اور سینہ اور چہرے پر ملنے کا حکم فرماتے ہیں اور انھیں بشارت دیتے ہیں کہ اس پانی کی برکت سے انھیں خیر کثیر حاصل ہوگا اور نہ صرف اصحاب بلکہ ام سلمہؓ جو آنحضرتؐ کی بیوی ہیں وہ خود اس پانی سے تھوڑا سا الگ کرنے کو کہتی ہیں جو رسولؐ کے ذریعہ متبرک ہوا ہے۔

ان واضح حقائق کے مقابل وہابیت کا کیا جواب ہے؟ یا پھر ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے؟

محمدؐ در شہوار

ایک مرتبہ پھر امام بوصیری کے حضور میں احترام سے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے اشعار کے سامنے سر تعظیم خم کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ جوہر مخلوقات ہیں۔ آنحضرتؐ کے ساتھ کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ تمام اولاد آدمؑ کے سیّد و سردار اور تمام انبیاء و مرسلینؑ اور برگزیدہ بندوں کے آقا ہیں۔

آپ کی بشری صفات کے متعلق جو بھی اور جتنا بھی کہا جائے لیکن آپ کو خداوند عالم نے ہر طرح کی آلودگی و پلیدی سے پاک رکھا ہے۔ اور حدیث بیان کرنے والے آنحضرتؐ کی ایسی خصوصیات بیان کرتے ہیں جو کسی اور میں دیکھی نہ گئیں اس کی مثالیں زیادہ ہیں، من جملہ ملاحظہ ہوں۔

کبھی بھی آنحضرتؐ کے اوپر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور بادل کا ایک ٹکڑا آنحضرتؐ پر سایہ کئے رہتا۔ زمین آپؐ کے بدن کی فاضل چیزوں کو نگل لیتی اور آپ کے بدن سے مشک کی خوشبو ہوا میں پھیلی رہتی تھی۔

میں جب بھی اس طرح کی روایات کو پڑھتا ہوں اور ان کی صحت و درستگی پر ایمان بھی رکھتا ہوں تو ان میں کچھ ایسی چیزیں میری سمجھ آتی ہیں جنھیں دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔ لہٰذا میں ہرگز اسے غلط نہیں سمجھتا اگر کوئی رسولؐ کے ہاتھ منہ کے دھونے کے بعد بچے ہوئے پانی کو پیئے۔ اس لئے کہ وہ بشر تو ہیں لیکن ان کی طرح کا کوئی بشر نہیں بلکہ آپ ایک درخشاں یاقوت ہیں۔

جب ہم میں سے کسی کو بھی اچھا نہ لگے کہ کسی کے ہاتھ منہ دھونے کے بعد

بچے ہوئے پانی کو پیئے تو پھر اگر اس نے اس میں کلی بھی کی ہو تو بھلا کیسے پی سکتے ہیں؟ اس لئے ان جراثیم اور کثافت وگندگی اور امراض کے خوف کے علاوہ طبعی طور پر انسان ایسے پانی سے نفرت کرتا ہے اور خصوصاً اس وقت جب اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب ہوتے دیکھے!

اگر ہمارا ایمان نہ ہوتا کہ رسول خداؐ ہر طرح کی کثافت و پلیدی، جراثیم اور بری بو سے مبرا ہیں اور آپ کا بدن طاہر ومطہر ہے تو اس طرح کی روایات کو قبول نہ کرتے۔ اور اگر رسولؐ کے بعض مخلص اصحاب کا ان حقائق پر ایمان نہ ہوتا تو اس پانی کو زیادہ سے زیادہ پینے پر سبقت نہ کرتے یہاں تک کہ ان کے درمیان نزاع اور کشمکش پیدا ہو جاتی۔ بلکہ یہ مخلص صحابہ حقائق رسولؐ سے متعلق ایسی چیزیں جانتے تھے جن سے دوسرے ناواقف تھے۔ لہٰذا وہ نہ صرف وضو کا پانی یا لعاب دہن پڑا ہوا پانی پیتے تھے۔ بلکہ کچھ ایسے کام بھی کرتے تھے جس کو انسانی طبیعت بمشکل تحمل کر سکتی ہے!

ہم اس جگہ تذکرہ کریں گے کہ وہ کیا کرتے تھے!

بخاری نے اپنی صحیح میں ایک طویل روایت پیش کی ہے جس کا مورد نظر حصہ پیش خدمت ہے:

> پھر عروہ کی آنکھیں اصحاب رسولؐ پر جمی ہوئی تھیں وہ کہتا ہے: ہم نے نہیں دیکھا کہ رسولؐ ناک سے نکلی ہوئی رطوبت کو پھینک پاتے، بلکہ اسے کوئی نہ کوئی صحابی لے لیتا اور اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا، اور اگر آنحضرتؐ وضو فرماتے تو اس کے بچے ہوئے پانی سے شفا حاصل کرتے۔ (۶۲)

اسی طرح بخاری نے عروہ اور مسور و مروان سے نقل کیا ہے کہ:

رسول خداؐ اپنی ناک سے خارج شدہ رطوبت کو نہیں پھینک پاتے تھے بلکہ اسے کوئی نہ کوئی صحابی لے لیتا اور اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا تھا۔ (۶۳)

یہ گرامی قدر اصحاب رسولؐ جن پر خدا کا درود وسلام ہو۔ یہ جانتے تھے کہ اس سے رسول خداؐ راضی ہیں اور اس عمل پر آنحضرت کا سکوت ان کے اقرار اور اعتراف کا ثبوت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصحاب آنحضرتؐ سے بہت سی کرامات دیکھتے تھے، مثلاً: عافیت، سلامتی، خیر و برکت، بیماریوں سے شفاء درد سے چھٹکارا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ کے لعاب دہن اور ناک سے نکلی ہوئی رطوبت کو اپنے چہرہ اور بدن پر نہ ملتے۔

اس مطلب پر مزید تائید کے لئے بخاری سے ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

> رسول خداؐ ایک گرم دن میں ظہر کے وقت بطحاء کی طرف گئے اور نماز ظہر دو رکعت پڑھی، جبکہ آپ کے سامنے عصا رکھا ہوا تھا۔
>
> عون، ابی حجیفہ سے مزید نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پیچھے بھی لوگ چل رہے تھے۔ پس لوگ آگے بڑھے، رسولؐ کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہرہ پر ملنے لگے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے بھی آنحضرتؐ کے ہاتھوں کو پکڑا اور اپنے چہرہ پر رکھ لیا۔ اس کو برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار پایا۔ (بخاری/ج۴/ص۲۲۹۔ کتاب بدء الخلق باب صفۃ النبیؐ)

نبیؐ کے ذریعہ خدا سے شفا طلب کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرتؐ ہاتھ سے مس کر کے یا اپنے وضو کے پانی اور آب دہن کے ذریعہ بیماروں کا علاج کرتے تھے اور بیماروں کو شفا بخشتے تھے۔

مسلم اور بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ سہل بن سعید نے کہا: ہم نے سنا کہ آنحضرتؐ نے روز خیبر فرمایا:

کل میں علم اس مرد کے حوالہ کروں گا جس کو خدا کامیابی عطا کرے گا، وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا۔ اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے۔ تمام شب لوگ اس فکر میں تھے کہ کل علم کس کے حوالہ کیا جائے گا۔ اور جب دوسرا دن آیا تو ہر شخص کا دل چاہتا تھا کہ وہ خود وہی شخص ہو۔

حضرتؐ نے فرمایا:

علیؑ کہاں ہیں؟ بتایا گیا: علیؑ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ تو آنحضرتؐ نے اپنے لعاب دہن کو علیؑ کی آنکھ پر مل دیا اور ان کے لئے دعا فرمائی اور انھیں ایسی شفا مل گئی، گویا انھیں مرض ہوا ہی نہ تھا، پس علم آپ کے حوالہ کیا۔

حضرت علیؑ نے عرض کی:

آیا میں ان کے ساتھ جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا:

جلدی کرو تا کہ ان کی حد میں داخل ہو جاؤ اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دو اور جو کچھ ان پر واجب ہے اس سے انھیں باخبر کردو۔ (۶۴)

اسی طرح بخاری نے نقل کیا ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ سائب بن یزید کا بیان ہے کہ:

میری خالہ مجھے رسولؐ کے پاس لے گئی اور کہا: اے خدا کے رسولؐ میرا بھانجا زمین پر گر پڑا ہے۔ (۶۵) پس رسولؐ نے میرے سر پر اپنے ہاتھوں کو ملا اور میرے لئے دعا کی پھر وضو فرمایا اور میں نے آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو پیا (۶۶)۔

بخاری نے جابر سے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

پیغمبرؐ ہماری عیادت کے لئے آئے جبکہ میں بخار کی شدت سے بے ہوش تھا۔ پس آنحضرتؐ نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو مجھ پر چھڑکا، میں ہوش میں آگیا۔

رسول خداؐ، اللہ کے نزدیک ایسے مرتبہ و مقام کے مالک ہیں کہ آب دہن کے ذریعہ اندھوں کو بینائی عطا کرتے ہیں اور آب وضو کے ذریعہ مرگی سے بے ہوش مریض کو ہوش میں لاتے ہیں اور شفا بخشتے ہیں۔ اور صحابہ آپ کی ناک کی رطوبت کو لیتے ہیں اور شفا کی غرض سے اپنے چہرے اور بدن پر ملتے ہیں اور روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ حذیفہ بن یمان کے پاس ایک تھیلی تھی جس کے ذریعہ بیماروں کا علاج کرتے تھے اور کوئی ایسا مریض نہ تھا جس پر وہ تھیلی رکھی جائے اور اسے شفا نہ حاصل ہو۔ یہ خبر کافی مشہور ہوئی اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو بھی ملی آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا:

اے حذیفہ! کیا تم آشوب گرہو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں بلکہ یارسول اللہؐ آپ کا پیر ایک پتھر پر نقش ہو گیا تھا، میں نے اسے اٹھا کر اس کپڑے کی تھیلی میں رکھ لیا اور اس سے بیماروں کا علاج کرتا ہوں۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: اگر کسی پتھر پر بھی اعتقاد پیدا کرلو تو تمہارے لئے مفید ہوگا۔

ان روایتوں کے نقل کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ کرتب دکھانے والے، شعبدہ بازوں، دجالوں اور دھوکہ بازوں پر ایمان لایا جائے اور علم طب وحکمت سے ایمان کو کم کردیا جائے، اس لئے کہ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ:

اپنے لئے ایک طبیب (ڈاکٹر) تلاش کرو، خدا نے مرض کو خلق کیا تو اس کا علاج بھی خلق کیا ہے۔

ان روایات کا معنی اور مطلب یہ نہیں کہ مسلمان صرف دعا، حرز، قرآن اور برکت کے ذریعہ بیماری سے شفا حاصل کرنے پر اکتفا کریں، بلکہ ہماری غرض یہ ہے کہ وہابیت کے اوپر حجت کامل ہوجائے جو ان تمام اُمور کا انکار کرتے ہیں اور جو بھی اس کا معتقد ہو اس کو مشرک سمجھتے ہیں۔ رسول گرامیؐ سے توسل وتبرک حاصل کرنے میں صحابہ کا اقدام معقول ہے۔ کیونکہ انھوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ معاشرت کی اور معجزات کے علاوہ بشر کی قوت سے بالاتر اُمور کا مشاہدہ کیا جس نے ان کے نفوس کو آرزؤں سے بھر دیا۔

بیشک سیرت وتاریخ کے مصنفین اور جو لوگ معجزات کو اہمیت دیتے ہیں انھوں نے رسول خداؐ کے لئے وہی کچھ تحریر کیا ہے جسے انبیاءؑ کے متعلق کتاب خدا نے ثبت کیا ہے، مثلاً بیماروں کو شفا، اندھے ہوجانے والوں اور پیدائشی اندھوں کو بینائی دینا، مردوں کو زندہ کرنا، آسمان سے خوان بہشتی منگانا، جانوروں سے ہم کلام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

ہم یہاں بخاری کی ایک یا دو روایت پر اکتفاء کریں گے۔ اور محققین سے کہیں گے کہ وہ خود اس کے متعلق علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

قتادہ، انس سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

رسول خداؐ ایک بے آب وگیاہ صحرا میں تھے آپؐ کے لئے ایک برتن

لایا گیا آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں رکھا، اچانک انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلنے لگا پوری قوم نے اس پانی سے وضو کیا، قتادہ کہتے ہیں: میں نے انس سے پوچھا تم لوگ کتنے آدمی تھے انھوں نے جواب دیا: تقریباً ۳۰۰ آدمی تھے۔ (۶۷)

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں:

روز حدیبیہ لوگ پیاسے ہوئے پانی کا ایک برتن آنحضرتؐ کی بغل میں تھا۔ آنحضرتؐ نے وضو کیا لوگ گھبرائی ہوئی حالت میں آنحضرتؐ کے پاس آئے، آنحضرتؐ نے فرمایا: تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ بولے: وضو کرنے یا پینے کے لئے بس یہی پانی ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ پانی میں رکھا اچانک آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ایسے ابلنے لگا جیسے چشمہ ابلتا ہے۔ پس ہم نے اس میں سے پیا اور وضو کیا۔ ہم نے پوچھا کتنے لوگ تھے؟ انھوں نے جواب دیا: ڈیڑھ ہزار لوگ تھے لیکن ایک لاکھ لوگ بھی ہوتے تو بھی پانی کافی تھا۔ (۶۸)

علقمہ عبداللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

ہم رسول خداؐ کے ساتھ ہم سفر تھے۔ پانی کم ہوگیا، آنحضرتؐ نے فرمایا: تھوڑا سا پانی لاؤ، ایک برتن میں پیش کیا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا، اور فرمایا پاک ومبارک پانی کی طرف دوڑ پڑو یہ خدا کی برکت ہے، ہم نے پانی کو دیکھا جو انگلیوں کے درمیان سے ابل رہا تھا۔ (۶۹)

وہابیت کی تاریخی حیثیت

اگر ہم اپنی تاریخ کی طرف نگاہ اٹھائیں اور اس کے دردناک اوراق کو پلٹ کر دیکھیں تو ان میں سے بعض واقعات ہمیں ٹھہرنے پر مجبور کردیں گے۔ تاکہ ہمیں سمجھا سکیں کہ یہ وہابیت جسے ہم نے اس قرن میں پہچانا ہے۔ اس کی بھی تاریخی حیثیت ہے جو کبھی ظاہر تو کبھی پوشیدہ رہی ہے۔ کبھی جرأت کرکے ظاہر ہوئی اور کبھی تقیہ وخوف سے پوشیدہ رہی ہے۔ یہاں تک کہ اسلام پر ایسے دن آپڑے اور استعمار نے اس نئی فکر کو تقویت بخشی۔ اس کا مقصد اور ہدف یہ ہے کہ وہ ہالہ یا دائرہ جو آنحضرتؐ کے گرد ہے اور آپ کا وہ احترام واکرام جو مسلمان کرتے ہیں ختم اور بے اثر ہوجائے۔ استعمار کو پتہ ہے کہ مسلمان دو چیزوں کو مقدس سمجھتے ہیں۔ قرآن اور سنت پیغمبرؐ اور یہ دونوں شریعت اسلام کے بنیادی مصدر ہیں جو ان کے حملہ کا نشانہ قرار پائے ہیں۔

اور یہ بھی سمجھ چکے ہیں کہ کتاب خدا میں کسی باطل کے نفوذ کی گنجائش نہیں اور خداوند عالم اس کی حفاظت کا خود ضامن ہے لیکن سنت رسولؐ میں جعل و تحریف کی جاسکتی ہے اور آنحضرتؐ کی وفات کے پہلے روز سے ہی سنت میں اختلاف پیدا ہوگیا۔

لیکن انھیں معلوم ہے کہ علمائے امت نے سنت کی حفاظت کی غرض سے جس کی صحت ثابت ہوچکی ہے اسے اکٹھا کرلیا ہے اور اس کے لئے قوانین بنائے ہیں۔ جو اس کو زیادتی وکمی سے روکتے ہیں۔

اس کے پیش نظر انھوں نے ایک شیطانی چال چلی تاکہ اس کے ذریعہ جو

چیزیں مسلمانوں کے درمیان خوشحالی ونشاط کا باعث ہیں نابود کرڈالیں۔ چنانچہ جب مسلمان روحانی اور معنوی امور سے جدا ہوں گے تو الحادی مادیت سے نزدیک ہو جائیں گے۔ اور دھیرے دھیرے سیلاب کے اوپر پیدا ہونے والے جھاگ کی طرح ختم ہوجائیں گے۔ اس دوران انھیں ایک ایسے مسلمان شخص کی تلاش ہوئی جو ریاست طلب اور دنیا پرست ہو۔ انہوں نے محمد بن عبدالوہاب کو اس کے لئے سب سے موزوں پایا۔ اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اس کو قانع کردیا کہ وہ اپنے زمانہ کا واحد دانشور ہے۔ اور ایسی ذہانت و ہوش کا مالک ہے کہ جو خلفائے راشدین کے پاس بھی نہ تھی۔ اور خلفاء کے اجتہاد کو کتاب وسنت جیسے صریح نصوص کا مخالف بتایا، خصوصاً آنحضرتؐ کی زندگی میں حضرت عمرؓ کا آپؐ کی مخالفت کرنا۔ اور محمد بن عبدالوہاب کو مطمئن کردیا کہ محمدؐ بشر ہیں، معصوم نہیں ہیں، مختلف مقامات پر ان سے بھول چوک ہوئی ہے۔ اور لوگوں نے ان کے اشتباہ کی اصلاح کی ہے اور یہ شخصیت کی کمزوری کی دلیل ہے۔

پھر اس میں جزیرۃ العرب پر تسلط اور اس پر حکومت کی طمع پیدا کی اس کے بعد اس میں تمام عرب دنیا اور اس کے بعد پورے عالم اسلام پر حکومت کی امید بندھائی۔

وہابیت انھیں مفاہیم پر استوار ہے اور ہمیشہ اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ دل کو بے حقیقت اور ان کی اہمیت کو کم کردے۔ جیسا کہ ان کے علماء صراحت کے ساتھ کہتے ہیں وہ شخص مرگیا۔ (نعوذ باللہ) اور ان کے بزرگ (محمد بن عبدالوہاب نے کہا) محمدؐ بوسیدہ مردار ہیں۔ (نعوذ باللہ) جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، یہ میرا عصا ان سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ فائدہ بھی پہنچاتا ہے اور نقصان بھی!

اسی سے ملتی جلتی عبارت حجاج بن یوسف کے زمانہ میں بھی کہی جاتی تھی۔

اسی نے کہا:

ان کے سروں پر خاک! یہ لوگ ایک بوسیدہ مردار کے گرد طواف کرتے ہیں، اگر یہ عبدالملک بن مروان کے محل کے گرد طواف کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا!

درحقیقت جس چیز نے حجاج اور بنی امیہ جیسے ظالموں کو آنحضرتؐ کے عظیم مقام کی اہانت کی جرأت بخشی تھی وہ عمرؓ بن خطاب کا قول تھا جسے اس نے آنحضرتؐ کے حضور میں کہا تھا:

یہ شخص ہذیان بک رہا ہے ہمارے لئے صرف کتاب
خدا کافی ہے! (۷۰)

اس باب میں وہابیت جو کچھ چاہتی ہے زور و زبردستی لوگوں کے اذہان میں داخل کرتی ہے اس لئے کہ اس کا کہنا ہے کہ محمدؐ کا کردار ختم ہوا اور ان سے سوائے تاریخ کے کچھ نہیں بچا ہے اور جو بھی ان سے توسل اختیار کرے گویا اس نے ان کی پرستش کی ہے اور خدا کی خدائی میں انہیں شریک بنایا ہے۔

اور یہ کوئی تازہ فکر نہیں ہے بلکہ یہ تاریخی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ خود حضرت ابوبکرؓ نے اعتراف کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ اعلان کیا۔ اور چیلنج کرکے کہا:

اے لوگو! جو بھی محمدؐ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے محمدؐ مر چکے ہیں اور جو بھی خدا کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ خدا زندہ ہے اور ہرگز نہ مرے گا۔ (۷۱)

اس بیان کی وجہ اور علت کیا تھی؟ جبکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ کی پرستش نہیں کرتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ یہ سمجھتے تھے کہ واقعاً بعض مسلمان آنحضرتؐ کی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ایسا تھا پھر آنحضرتؐ کیوں خاموش رہے اور ان کو منع نہیں کیا؟ بلکہ ان کو کیوں قتل نہ کر ڈالا؟

بہرحال میں ذاتی طور پر یہی عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ بھی وہی عقیدہ رکھتے تھے جو آج وہابیت کے یہاں وجود میں آیا ہے۔ یعنی وہ آنحضرت کا احترام واکرام ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور بلا شبہ اس پر جل بھن جاتے تھے۔ اور جس وقت دیکھتے لوگ پیغمبرؐ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو اپنے اوپر ملنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے ہیں۔ اور اس سے متبرک ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ واہل بیتؑ کی محبت مودت کے ذریعہ خدا سے تقرب حاصل کرتے ہیں اور خدا سے نزدیک ہوتے ہیں تو لوگوں کے اس عمل سے قریش میں برعکس اثر ہوتا۔ لہٰذا وہ آنحضرتؐ کی ذات سے دشمنی رکھتے تھے۔ گرچہ وہ کسی اشتباہ کے مرتکب نہ ہوتے تھے۔

آخرکار قریش کے لیڈر، معاویہ بن ابوسفیان نے اپنے اس باطنی کینہ سے پردہ اٹھادیا اور جس وقت مغیرہ نے اس سے کہا:

اے امیر المومنین کتنا اچھا ہوتا کہ تم بنی ہاشم میں اپنے عزیزوں پر لطف وکرم کرتے۔ خدا کی قسم ان کے پاس کوئی چیز نہیں بچی ہے جس سے آپ ڈریں آپ کا یہ عمل آپ کے حق میں نفع بخش ہوگا۔

معاویہ نے کہا:

برادر تمیم (ابوبکرؓ) نے حکومت کی لیکن جیسے ہی اس دنیا سے گئے نام ختم ہوگیا۔ البتہ کوئی کبھی یاد کرلیتا ہے۔ برادر عدی (عمرؓ) نے حکومت کی اور دس سال خودخواہی اور قدرت کی بنیاد پر لوگوں پر مسلط رہے۔ لیکن جس وقت دنیا سے گئے ان کا نام بھی ان کے ساتھ ختم ہوگیا، مگر یہ کوئی کہے حضرت عمرؓ! اور حضرت عثمانؓ نے بھی حکومت کی اور جو کچھ چاہا کیا لیکن جیسے ہی دنیا سے سدھارے ان کا نام بھی دنیا سے رخصت ہوگیا۔ کسی کا نام بھی نہیں بچا سوائے ابن ابی کبشہ (مراد رسولؐ خدا ہیں) کے، کسی اور کا نام نہیں بچا ہے اور ہر روز دن میں پانچ مرتبہ یاد کیا جاتا

ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں ﴿اشهد ان محمداً رسول اللّٰہ﴾ یہ کون سی یاد ہے جو باقی رہ جانا چاہتی ہے۔ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے، خدا کی قسم اس کے نام کو دفن کردوں گا اور مٹی میں ملادوں گا۔ (۷۲)

یہ وہی وہابیت ہے جس کا کل بہترین شکل اور فصیح ترین عبارتوں میں نقشہ تیار کیا گیا اور آج کل اس کو عملی شکل دے رہے ہیں۔

(وہ چاہتے ہیں اپنے منہ سے نور خدا کو خاموش کردیں لیکن خدا اسے پورا کر کے رہے گا چاہے کافروں کو اچھا نہ لگے) (صف/۸)

وہابیت اور زیارت قبور کی تحریم

اس وقت کی رائج بدعتوں میں ایک بدعت عورتوں پر قبر کی زیارت کو حرام قرار دینا ہے۔ مسلمان عورت جب خانۂ خدا کی زیارت اور حج کے لئے جاتی ہے تو اسے بقیع اور شہدائے احد اور دیگر قبور کی زیارت کی اجازت نہیں ملتی۔

وہابیت نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے پاس اس کو حرام قرار دینے میں سوائے تعصب کے کوئی اور دلیل نہیں ہے۔

مسلم اپنی صحیح میں باب جنائز کے اندر نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت عائشہؓ نے رسول خداؐ سے پوچھا۔ عورت اگر قبروں کی زیارت کے لئے نکلے تو کیا کہے۔

حضرت نے ان سے فرمایا:

کہے: اے قوم جو آرام سے اپنے گھروں میں سوئی ہے تم پر سلام ہو تم ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم بھی جب خدا نے چاہا تم سے ملحق ہو جائیں گے۔ خداوند عالم گذرے ہوئے اور جو بعد میں آ ئیں ان کی مغفرت فرمائے (۷۳)۔

اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ:

آنحضرتؐ ایک عورت کے قریب سے گذرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی ہوئی رو رہی تھی آپؐ نے فرمایا: تقوائے الٰہی اختیار کر اور صابر رہ۔ اس عورت نے کہا: مجھ سے دور ہو جاؤ۔ تم میری مصیبت، میں نہ گرفتار ہو اور نہ ہی اسے جانتے ہو۔ اس عورت سے کہا گیا کہ یہ رسولؐ

تھے۔ وہ عورت رسولؐ کے گھر آئی اور عرض کیا: میں نے آپ کو نہ پہچانا مجھے معاف فرمائیے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اوّلین صدمہ اور مصیبت کے لئے صبر ہے۔(۷۴)

اس سلسلے میں حدیثیں بکثرت موجود ہیں اہل سنت کی کتب صحاح اور شیعوں کی کتابیں اس سے مالامال ہیں لیکن وہابیت اس کا انکار کرتی ہے اور اس کے لئے کسی قدر و قیمت کی قائل نہیں اور جس وقت ان میں سے بعض لوگوں پر میں نے اعتراض کیا اور احادیث کے ذریعہ استدلال کیا تو وہ کہنے لگے یہ روایتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

میں نے کہا بلکہ اس کے برعکس تحریم منسوخ ہے اس لئے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

میں پہلے تم کو قبروں کی زیارت سے روکتا تھا لیکن اس وقت کہتا ہوں کہ زیارت کرو کیونکہ یہ تمھیں موت کی یاد دلاتی ہے۔

جواب ملا: یہ حدیث مردوں کے لئے مخصوص ہے عورتیں اس سے خارج ہیں۔

میں نے کہا: تاریخ میں ثابت ہوا ہے اور محققین اہل سنت نے بھی اسے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیھا ہر روز اپنے بابا کی قبر کی زیارت کو جایا کرتی تھیں، اور فرماتی تھی:

میرے بابا! مجھ پر وہ مصیبتیں نازل ہوئیں جو اگر دنوں پر پڑتیں تو شب تاریک میں بدل جاتے۔(۷۵)۔

یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کے لئے ایک گھر بنایا تھا جس کا نام بیت الحزن تھا اور وہ اپنا زیادہ تر وقت بقیع میں گزارتی تھیں(۷۶)۔

اس نے کہا: اگر فرض کر لیں کہ یہ حدیث درست ہے تو یہ فاطمہؑ سے مخصوص ہے۔

اسے کہتے ہیں (اندھا تعصب!) ورنہ مسلمان کیوں کر تصور کر سکتا ہے کہ خدا اور اس کا رسولؐ عورت کو اس بات سے روکیں کہ وہ اپنے والدین، بھائی، اولاد اور شوہر کی قبروں پر جائے اور ان کے لئے طلب رحمت و مغفرت کرے اور ان کی قبروں پر اشک رحمت چھڑکے اور خود بھی موت کو یاد کرے جس طرح مرد یاد کرتا ہے۔

عورت کی نسبت اس کھلے ہوئے ظلم پر خدا اور اس کا رسولؐ راضی نہ ہوں گے اور کوئی بھی عقل مند اسے قبول نہ کرے گا۔

بڑی غلطی پر ان کا سختی سے محاسبہ کرتے ہیں۔

اور کبھی ایک بھول یا معمولی غلطی پر پٹائی کرتے ہیں اور ان پر اس درجہ سختی کرتے ہیں کہ وہ تھک جاتے اور دین سے متنفر ہو جاتے ہیں جبکہ وہ ابھی سن بلوغ تک بھی نہیں پہنچے ہوتے، یہ وہ چیز ہے جسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ شاید خود آپ نے بھی اپنے عزیزوں میں ایسے بچوں کو دیکھا ہو جو سختی کی بنیاد پر نماز پڑھتے ہیں۔

اور جس وقت ماں باپ کی پکڑ کمزور پڑتی ہے تو اس زنجیر کو توڑ کر نکل جاتے ہیں اور نماز کو بالکل ترک کر دیتے ہیں۔

میں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ اپنے عزیزوں میں کچھ والدین کو اس بات پر راضی کروں کہ نماز پڑھنے پر بچوں کی پٹائی نہ کیا کریں اور انکو زبردستی نماز پڑھنے پر مجبور نہ کیا کریں بلکہ محبت ومہربانی اور نرمی کے ساتھ پیش آئیں تاکہ نماز ان کی نظر میں محبوب بنے نہ کہ ڈراؤنا خواب۔

لیکن میں جب اس بات کو کہتا تو وہ کہتے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

سات یا دس سال (روایت میں اختلاف ہے) کے بعد نماز کے لئے بچوں کی پٹائی کرو۔ اس طرح خواہ جوانوں نے عیسائی مبلغوں کی پیروی نہ کی ہو لیکن نماز کو ضائع کر دیا اور اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ جبکہ انھیں کھیلوں اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو چھوڑنا چاہیے تھا جو ذکر خدا سے روک دیتے ہیں۔

مکتب اہل بیتؑ میں مشکل کا حل

جو بھی اسلامی تربیت کے لئے مکتب اہل بیتؑ کی پیروی کرتا ہے اسے ایسی راہ حل ملتی ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے قرار دیا ہے جو ان کے لئے دین کو آسان کر دے اور احکام کو ہر چھوٹے بڑے تک پہنچا سکے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

خدا نے تمہارے لئے دین میں مشقت قرار نہیں دی ہے (حج/۷۸)۔

خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے نہ کہ زحمت ومشکل (بقرہ/۱۸۵)۔

خدا ہر شخص پر اس کی قوت کے مطابق فرائض معین کرتا ہے (بقرہ/۲۸۶)۔

رفع حرج

رفع حرج یعنی سختی اور دباؤ کو ختم کرنا اور یہ اسلام کا ایک قاعدۂ کلیہ ہے کہ ہرج ومرج کو ختم کر دیا گیا اور ہر زحمت ممنوع ہے لیکن اگر واقعیت یہی ہے تو پھر یہ ساری سختیاں جو فقہی کتابوں میں موجود ہیں وہ کس لئے ہیں؟

اگر مسلمان (اہل سنت حضرات) کے بعض ابواب وضو اور غسل کر پڑھے تو اسے احساس ہوگا کہ آسانی کس حد تک مشکل میں تبدیل ہو چکی ہے اور انسان پر اسکی طاقت سے زیادہ فرائض عائد کئے گئے ہیں مثلاً تحریر ہے کہ اگر غسل کے بعد غسل کرنے والے کا ہاتھ اس کے عضو تناسل سے لگ جائے تو اسکا غسل باطل ہے اور اسے پھر سے غسل کرنا پڑیگا۔

مکتب اہل بیتؑ میں، اہل بیتؑ نے اپنے جد حضرت رسول خداؐ سے روایت نقل کی ہے کہ وضو وغسل (یعنی دوبار دھونا) اور دو مسح ہے (یعنی چہرہ اور ہاتھ کو دھونا اور سر و پا کا مسح ہے)۔

یہ ہے وضو

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خداوند عالم نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ نماز سے پہلے وضو کریں خداوند عالم فرماتا ہے:

اے رسولؐ! اگر نماز کے لئے اٹھو تو چہرہ کے بعد ہاتھوں کو کہنی تک دھوؤ۔ اور اپنے سر و پیر کا اُبھرے ہوئے حصہ تک مسح کرو۔ (مائدہ/۶)۔

لہٰذا وضو چہرہ اور ہاتھوں کے دھونے اور سر و پا کا مسح کرنے کا نام ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں یہ بہت ہی آسان ہے اس میں کوئی زحمت بھی نہیں ہے۔ مسلمان مقیم ہو یا مسافر ائر پورٹ پر ہو یا ٹرین میں یا پھر گھر میں اس وضو سے اس کے لئے کوئی مشکل نہ ہوگی۔ پائپ کھولے چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولے اور نل کو بند کردے۔ اور پھر سر و پا کا ہاتھ کی بچی ہوئی رطوبت سے مسح کرے۔ حتیٰ اگر وہ چاہے تو نماز ادا کرنے کی جگہ تک جوتے کو نہ اُتارے (اگر نماز ادا کرنے کی جگہ نزدیک ہو) تو وہاں جوتا اُتارے اور پھر پاؤں پر مسح کرے۔

لیکن اہل سنت فقہ کے مطابق وضو بہت ہی سخت ہے کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا۔ تین مرتبہ کلی، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا، تین مرتبہ چہرہ کو دھونا، تین مرتبہ داہنے ہاتھ کو دھونا، تین مرتبہ بائیں ہاتھ کو دھونا، پورے سر، اور کان کا مسح، تین مرتبہ داہنے پیر کا دھونا اور تین مرتبہ بائیں پیر کا دھونا۔

ایسا وضو اور خصوصاً جوانوں کے لئے سفر کی حالت میں اور خاص کر ٹھنڈک میں جب کہ پیروں کو دھونا ہو اور پھر موزہ پہننے کے لئے پیروں کو خشک کرنا اس میں ان کے لئے کس درجہ زحمت ہے۔

لیکن مکتب اہل بیتؑ میں نص کے مقابل اجتہاد اور ذاتی رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قرآن و سنت رسولؐ کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ جو وضو اس مکتب میں ہے اسی کو قرآن نے بھی مسلمانوں پر واجب کیا ہے۔ اور رسول خداؐ وائمہ اطہارؑ اسی طرح وضو کرتے تھے۔

خدا رحمت کرے عبداللہ بن عباس پر آپ ہمیشہ تکرار کرتے رہتے کہ:
کتاب خدا میں سوائے دو دھونے اور دو مسح کے ہمیں اور کچھ نہیں ملتا
لیکن تم لوگ تو صرف سنت حجاج کی پیروی کرنا چاہتے ہو۔
(مصنف عبدالرزاق/ج۱/ص ۳۸)۔

لہٰذا آج مسلمانوں پر اور خاص کر سمجھدار جوانوں پر واجب ہے کہ آسانی اور سہولت کی طرف پلٹ آئیں اور لوگوں کو دین کی طرف رغبت اور شوق دلائیں، جناب رسولؐ خدا نے مسلمانوں کے درمیان کس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس قاعدہ پر عمل کریں۔

لوگوں سہولت سے کام لو، مشکل پیدا نہ کرو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو (۸۷)
خود اپنے آپ پر سختی نہ کرو تا کہ خدا بھی تم سے سختی سے کام نہ لے جیسا
کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔ (۷۸)

یہ تجربہ معمولاً کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ کتنے ایسے جوان تھے جو وضو کی وجہ سے نماز سے گریز کرتے تھے۔ یا نماز کو تیمم سے پڑھتے تھے۔ اس ڈر سے کہ کہیں پانی ان کے پاؤں کے لئے مضر نہ ہو۔ (۷۹)

لیکن اہل بیتؑ کی روش کے مطابق وضو سے انھیں سکون حاصل ہوا اور وہ مطمئن ہوگئے۔

یہ ہے نماز

مکتب اہل بیتؑ میں نماز پانچ وقت پڑھنے کے بجائے تین وقت پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر وعصر اور نماز مغرب عشاء یکے بعد دیگرے پڑھتے ہیں۔ اور ایک وقت نماز صبح کے لئے نماز ظہر وعصر کے لئے اور ایک وقت نماز مغرب وعشاء کے لئے معین کر رکھا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب «سچوں کے ساتھ ہو جاؤ» میں ایک باب قرآن کریم اور سنت پاک کی روشنی میں ان تین وقتوں کی شرعی حیثیت سے مخصوص کیا ہے۔ ہم طالب کو طول دینا نہیں چاہتے اور جس بات کا تذکرہ پہلے کیا ہے اس کی تکرار نہیں کرنا چاہتے ہمارے محقق احباب اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

لیکن اس جگہ ان تین وقتوں میں نمازوں کو قرار دینے کی الٰہی حکمت سے متعلق توضیح دینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی تذکرہ کیا ہے۔ سماج کا تین چوتھائی حصہ نوکری پیشہ ہے۔ یہ یا تو نماز نہیں پڑھتا ہے یا اگر پڑھتا ہے تو کسالت اور سستی کے ساتھ پڑھتا ہے اور پھر پڑھنے میں مشقت اور سختی محسوس کرتا ہے۔

اس لئے کہ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ شرعاً کام میں کمی نہیں کر سکتے۔ اور جس وقت میں کام کی تنخواہ لیتے ہیں اس میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ ہم ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے جو مسجد میں پکار پکار کر کہتے ہیں نماز کے وقت کام چھوڑ دو چاہے اس کی وجہ سے تمہیں کام سے نکال دیا جائے اس لئے کہ روزی کا دینے والا خدا ہے نہ کہ کارخانہ کا مالک اور منیجر!!!

تعجب تو اس وقت ہوتا ہے جب یہی نظریہ رکھنے والے افراد خود اسی موضوع میں متضاد نظر آتے ہیں۔ ہم نے انھیں میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا حضرت عمرؓ مسجد میں وارد ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو لوگوں کے آنے سے پہلے نماز پڑھ رہا تھا۔ دوسری مرتبہ آئے دیکھا وہی شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ اور جب تیسری مرتبہ دیکھا تو کہا کون تمہاری روزانہ کی زندگی کا خرچ دیتا ہے۔ اس نے کہا میرا بھائی مجھے کھانا کھلاتا ہے اور لباس پہناتا ہے جناب حضرت عمرؓ نے اس سے کہا مسجد سے باہر نکل جاؤ اس لئے کہ تیرا بھائی تجھ سے بہتر ہے۔ آسمان سے تو سیم و زر نہیں برستا۔

میں اس کو کنارے لے گیا اور اس سے کہا کہ کیا تم نے ایک ماہ پہلے یہ نہ کہا تھا کہ خدا اپنے بندوں کو روزی دیتا ہے۔ تمہارے اوپر ضروری ہے کہ نماز کے وقت کام چھوڑ دو۔ اس نے بزرگانہ مسکراہٹ سے ساتھ میری طرف دیکھا اور کہنے لگا «ہر سخن جائی دارد» میری پہلی بات قرآن سے تھی اور دوسری بات حضرت عمرؓ فاروق کے حوالہ سے تھی اور یہ دونوں باتیں حق ہیں میں نے اس سے کہا خدا تجھے جزائے خیر دے میں نے بڑا استفادہ کیا۔

ہم پھر دو نمازوں کو ایک وقت میں انجام دینے میں الٰہی حکمت کی طرف پلٹتے ہیں۔ کہ خداوند عالم زمین و زمان کا خالق ہے اور ماضی، حال اور مستقبل سے آگاہ ہے۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہے۔

خدا کو علم تھا کہ ایک زمانہ میں لوگوں کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں گی اور ان کی آزادی کم اور وقت محدود ہوگا۔ اور چونکہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاءؑ ہیں اور آپ کی شریعت قیامت تک باقی ہے اور حکمت الٰہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ بندوں کے لئے آسانی پیدا کی جائے اور عسر و حرج کو ختم کیا جائے لہٰذا اپنے

رسولؐ سے فرمایا: نماز ظہر وعصر، مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ادا کریں اور یہی روش امت کو تعلیم فرمائیں۔ تاکہ ان پر سے حرج اور سختی ختم ہوجائے۔

پیغمبرؐ نے اس حکم پر عمل کیا اور کئی مرتبہ مدینہ منورہ میں اسی روش پر نماز ادا کی اور جس وقت آپؐ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

میں اپنی امت پر سختی نہیں چاہتا۔(۸۰)

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ابن عباس نے کہا:

رسول خداؐ نے مدینہ میں سات رکعتی اور آٹھ رکعتی نماز پڑھی، یعنی ظہر وعصر اور اسی طرح مغرب وعشاء۔(۸۱)

یہ ہے حکمت الٰہی اور یہ ہے رسول خداؐ کی نماز، جسے آنحضرتؐ نے پروردگار کے حکم کی بنیاد پر انجام دیا۔ تاکہ امت کے لئے فشار وسختی کا باعث نہ ہوں۔

ہم کیوں اس روش کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ یہ سہل اور آسان ہے اور ملازم، کاریگر، طالب علم اور فوجی سبھی کے لئے سازگار اور ممکن ہے اور کوئی کام ایسا نہیں جو ان وقتوں سے بڑھ کر ہو۔ اس طرح اب کسی مسلمان کے لئے کوئی بہانہ نہیں۔

یہ بات دنیا میں معروف ہے کہ ڈیوٹی کا وقت آٹھ گھنٹے ہوتا ہے۔ اور دو حصوں میں کام ہوتا ہے صبح ۸ بجے سے لے کر ۱۲ بجے تک اور بیچ میں دو گھنٹہ استراحت پھر ۲ بجے سے لے کر شام کے ۶ بجے تک۔ اس صورت میں مسلمان نماز ظہر وعصر کو آرام کے وقت میں کام پر دوبارہ جانے سے پہلے انجام دے سکتا ہے۔ اس طرح اس نے نماز ظہر وعصر کو اس کے صحیح وقت پر انجام دیا ہے چنانچہ نہایت آرام سے کام پر آسکتا ہے۔

لیکن اگر کام سارے دن کا ہو جیسے معدنیات یا اس سے مشابہ جگہوں پر کام تو (قانون کار) ۷ گھنٹے مسلسل کام کو تجویز کرتا ہے۔ اور آدھا گھنٹہ آرام کے

لئے دیتا ہے اس قسم کی کمپنیاں کام کو تین شفٹوں میں معین کرتی ہیں۔

۱۔ایک گروہ صبح ۷ بجے سے ۲ بجے تک کام کرتا ہے۔

۲۔دوسرا گروہ ۲ بجے (بعد نماز ظہر) سے رات کے ۹ بجے تک کام کرتا ہے۔

۳۔اور تیسرا گروہ ۹ بجے رات سے ۴ بجے صبح تک کام کرتا ہے۔

نماز کے لئے اس حکمت الٰہی کے تحت یہ سارے گروہ بغیر کسی زحمت کے اپنے وقت پر نماز ادا کرسکتے ہیں۔

اور کوئی بھی عذر نہیں کرسکتا کہ اس کے پاس نماز ادا کرنے کا وقت نہیں ہے یا یہ کہ نماز کا وقت جا رہا ہے اور وہ نماز ادا نہیں کرسکتا۔

اس طرح ہم نماز ادا کرنے میں قرآن وسنت کی پیروی کریں گے۔

اس لئے کہ حکم یہی ہے کہ مومنین نماز کو اس کے وقت پر انجام دیں۔ اسی کے ساتھ ہم اپنی اور دوسروں کی سختی ومشقت کو بھی دور کرسکتے ہیں۔

شاید بہت سے جوان جنھوں نے اپنی نماز کو ترک کردیا ہے پھر سے نماز کی آغوش میں پلٹ آئیں۔ اگر انھیں یہ پتہ چل جائے کہ خدا نے اسی امر کی تشریح کی ہے اور رسول خداؐ اور آپ کے اہل بیتؑ نے ایسے ہی انجام دیا ہے۔

اگر یہ اہل بیتؑ کے دستور پر عمل کرے تو اسے ۲۰۰۰ ہزار دینار ادا کرنا ہوں گے۔ لہٰذا اگر مذہب اہل سنت کے مطابق ادا کرے تو اس کے پاس ۹۷۵۰ دینار بچتے ہیں اور اگر مذہب اہل بیتؑ کے مطابق ادا کرے تو اس کے پاس صرف آٹھ ہزار (۸۰۰۰) دینار بچتے ہیں۔

اس مفروضہ کی بنیاد پر اہل سنت فقیر مسلمان کو پورے سال میں صرف ۲۵۰ دینار حاصل ہوتا ہے اور اہل بیتؑ کے پیرو فقیر مسلمان کو ایک سال میں ۲۰۰۰ دینار حاصل ہوگا۔ اور ان دونوں قوم کے درمیان کافی فرق ہے۔

نیز اہل سنت فقیر اور دولت مند مسلمان، کا باہم موازنہ کریں تو اس طرح ہوگا ۹۷۵۰ کے مقابلے میں ۲۵۰ دینار اور یہ بہت بڑا فرق ہے۔ یعنی چالیسواں حصہ۔ باالفاظ دیگر اگر دولت مند کے پاس چالیس روٹی ہوگی تو فقیر کے پاس صرف ایک روٹی ہوگی۔ لیکن اگر اہل بیتؑ کے پیرو فقیر و ثروت مند میں موازنہ کریں تو اس طرح ہوگا۔

۸۰۰۰ کے مقابل ۲۰۰۰ دینار اور یہ نسبت معقول ہے یعنی چار کے مقابل ایک ہے یعنی اگر دولت مند کے پاس چار روٹی ہوگی تو فقیر کے پاس ایک روٹی۔

دوسرے لفظوں میں اہل سنت فقیر کا ایک حصہ ہے اور اہل سنت دولت مند کے ۳۹ حصے اور یہ فرق بہت زیادہ ہے خداوند عالم نے اس سے ہوشیار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یہاں تک کہ تمام غنائم امیروں کے ہاتھ میں نہ آجائیں اور صرف انھیں کے ہاتھوں میں ردوبدل ہوتے رہیں۔ (حشر/۷)

اور اسی طرح ہے بھی اس لئے کہ قوم کے غنی اور دولت مند افراد جو صرف ۲۰ فیصد ہیں ۹۵ فیصد دولت اور سرمایہ پر قابض ہیں۔ جبکہ باقی قوم صرف ۵ فیصد کی مالک ہے۔ لیکن اہل بیتؑ کا پیرو ہر چار حصہ کے مقابل ایک حصہ کا

مالک ہے یہ فرق گرچہ زیادہ ہے لیکن اس قدر واضح نہیں ہے اور اس صورت میں دولت مند افراد ۷۵ فیصد پر قابض ہوں گے اور باقی ۲۵ فیصد دولت دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی۔

ان تمام حساب وکتاب کے باوجود اسلام نے لوگوں کو مستحق صدقہ دینے کی بھی کافی ترغیب فرمائی ہے بلکہ دوسری زکات کو بھی صرف دولت مندوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثلاً زکات فطرہ، قربانیاں، کفارے، نذریں، اسی طرح اسلام نے حاکم شرع کو حق دیا ہے کہ وہ سرمایہ داروں کے مال میں تصرف کرے اور اگر ضروری ہو تو ان سے لے اور فقراء کے درمیان تقسیم کرے یا بیت المال کے حوالہ کردے۔

جو واقعیت سامنے ہے وہ کچھ اور ہے۔ اور خدا نے جس چیز کا قرآن میں حکم دیا ہے اور رسول خداؐ نیز آپ کے اہل بیتؑ نے جس پر عمل کیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ملتوں میں طاقت، دولت مندوں کے ہاتھ میں ہے اور طاقت والوں اور دولت مندوں کی تعداد بھی کم ہے جبکہ وہ ہر چیز کے مالک ہیں۔ لیکن فقراء کی تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔

کمیونسٹوں نے بھی عالم اسلام میں رائج اسی کمزوری کو پکڑ لیا اور آسانی کے ساتھ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں روشن فکر طلباء کو اپنی طرف جذب کرلیا اور انھیں قوم کے ہر فرد کے درمیان دولت کی مساوی تقسیم کا نظریہ بطور تحفہ پیش کردیا۔

اس طرح بہت سے مسلمان نوجوان کمیونسٹ ہوگئے اور اس تھیوری کو اپنے لئے منتخب کرلیا اور دین کو خیر باد کہہ دیا۔ عقائد ترک کردئے اور اپنے آباؤ اجداد سے نفرت کرنے لگے۔ اسلام نے کمیونزم سے بدتر خطرہ نہیں دیکھا اس لئے کہ وہ

اندر ہی اندر اپنے ہی روشن خیال فرزندوں کے ہاتھوں ویران ہوگیا۔ کیونکہ جب ایسے لوگ حکومت میں آئے تو انھوں نے اسلام سے جنگ کی اور اپنی قوم پر خاطر خواہ اثر ڈالا۔

اگر آج ہم کیمونزم کی لعنت میں گرفتار ہوگئے تو ہمیں چاہیے گذشتہ مسلمانوں کو سرزنش کریں کہ جنھوں نے احکام خدا میں تحریف کی یہاں تک کہ فقر زیادہ ہوگیا اور جہل وپسماندگی تاریکی، تعصب، اور نادانی کا ان پر راج ہوگیا۔

﴿لاحول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم﴾

موقت شادی (متعہ) کی اہمیت

سب سے خطرناک سماجی مشکل جو انسانی سماج کو تباہ کررہی ہے وہ جنسی مشکل ہے۔ جنسی شہوت، جیسا کہ ہم جانتے ہیں بشری زندگی کی بقا کے لئے اساس ہے اور خداوند عالم نے انسان، حیوان اور نبات سب کو نر و مادہ کی صورت میں پیدا کیا ہے:

خداوند عالم فرماتا ہے:

ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم متوجہ ہوجاؤ۔
(ذاریات/۴۹)

اور خداوند عالم نے تمہارے لیے بیویاں قرار دیں اور تمہاری بیویوں سے بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں پیدا کئے۔ (نحل/۷۲)

زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہے نر و مادہ باہم ملاپ کریں اور یہ خلق خدا کے درمیان اس کی سنت ہے۔

شادی اور نسل کو آگے بڑھانے کے لئے اللہ نے مرد و عورت میں جنسی خواہش پیدا کی ہے تاکہ ان میں سے ہر ایک مد مقابل سے جنسی رابطہ پیدا کرنے کے لئے میلان رکھے۔ اور ہر ایک کی جنسی خواہش پوری ہو اور اس کے نتیجہ میں اسپرم اور ادم بارآور ہوں۔ اور ایک بچہ وجود میں آئے۔ وہ بھی رشد ونمو کرے، بڑا ہو اور اسی طرح وہ بھی حیات بشری کو آگے بڑھائے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وہی ہے جس نے آب (نطفہ) سے آدمی کو خلق کیا اور ان کے درمیان

رشتہ ناطہ برقرار کیا اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔(فرقان ۵۴)

اسلامی شریعت نے اس جنسی غریزہ کے لئے قید وشرط اور ایک خاص حد معین کی ہے جس کی ہر شخص پابندی نہیں کرتا۔ لہٰذا گر خاندان ونسل اور انسانی شرف کی حفاظت کی غرض سے شرعی شادی کے بغیر جنسی رابطہ برقرار کیا جائے تو حرام ہے۔

لیکن مغربی سماج میں جوان ونوجوان بغیر کسی قید وشرط کے نہایت آسانی کے ساتھ جنسی عمل انجام دیتے ہیں اور نہ صرف اس کو برا نہیں سمجھتے بلکہ ایک طبیعی امر سمجھتے ہیں اور اس پر ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔ وہ اس عمل میں اس درجہ آگے بڑھ چکے ہیں کہ حیوانات کی طرح بلکہ حیوانات سے بھی برے اور قبیح ڈھنگ سے زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اگر کوئی مرد شادی کرے اور بیوی کو باکرہ پائے تو اسے تعجب ہوتا ہے اور وہ اس کو ایک غیر معمولی بات سمجھتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے ہاں مطلب بالکل مختلف ہے زن ومرد کا ایک جگہ جمع ہونا منع ہے۔ مگر خاص خاص مواقع پر حجاب اسلامی کے ساتھ ممکن ہے یعنی عورت کا چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھ کے سوا کوئی حصہ کھلا نہ ہو۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اولاد کی تربیت ہے خصوصاً لڑکیاں اس طرح پرورش کی جاتی ہیں کہ وہ پردہ اور حیا وشرم کی پابند ہوں۔ بکارت یا کنوارا پن عفت وشرافت کا معیار ہے۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی شوہر کے گھر جاتی ہے لیکن جنسی عمل کے متعلق کچھ نہیں جانتی اسی طرح مرد بھی ناواقف ہوتا ہے۔

البتہ یہ مطلب اس اسلامی سماج میں جہاں احکام شریعت پر عمل ہوتا ہے صادق آتا ہے۔ یا یوں کہوں تو بہتر ہوگا اسلامی آئیڈیل سماج میں ہوتا ہے جو آج کے زمانہ میں سوائے ایک خواب کے کچھ اور نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر عمل اگر

محال نہ ہو تو دشوار ضرور ہے۔

بہر حال جوان چاہے لڑکا ہو یا لڑکی جسمانی اور جنسی رشد وکمال کے وقت اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ ممکن ہے گھر والوں کی شدید نگرانی کی صورت میں ہم جنس پرستی کا شکار ہو جائے جو خطرناک امراض کا باعث ہونے کے علاوہ خاندان اور بالآخر سماج کی ویرانی کا اصلی عامل ہوگا۔

بہر حال مغربی معاشرہ میں جنسی عمل کو انجام دینے میں، افراط سے کام لیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس نے حیوانی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور عورت ومرد کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح اور جس کے ساتھ بھی آتش شہوت کو ٹھنڈا کرنا چاہیں کریں، حتیٰ کہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہوں! اور دوسری طرف اسلامی اور عربی معاشرہ میں تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی معاشرہ نفسانی مشکلات کا شکار ہو گیا اور عورت مرد کے درمیان شرعی رابطہ بھی مشکل ہو گیا۔ اور اس سے بھی بالاتر بعض اسلامی مذاہب کے فقہاء نے ﴿سد باب الذرایع﴾ کے عنوان کے تحت زنا کے مراکز کھولنے کی اجازت دے دی ہے۔ تاکہ خود ان کے خیال میں لاابالی جوان پاکدامن مسلمان عورتوں اور باعفت لڑکیوں پر حملہ نہ کریں۔ لیکن اس نے نہ صرف مشکل کو حل نہیں کیا بلکہ سماج کھلی ہوئی بے راہ روی اور فساد کی طرف بڑھ گیا ہے۔

اسلامی سماج میں عورت کی مظلومیت

عورت آج بھی اسلامی اور عربی سماج میں مظلوم ہے۔

شاید مسلمانوں کو ابھی تک نہ معلوم ہو کہ عورت بھی جسم، روح، فکر، قلب، شعور اور جذبات رکھتی ہے اور کسی ایسے شرف اور عزت کا مرد مدعی نہیں ہوسکتا جو عورت کے پاس نہ ہو۔

خداوند عالم نے قرآن میں عورت و مرد کے درمیان مساوات قرار دی ہے اور فرماتا ہے:

> اے انسانو! ہم نے تمہیں مرد وعورت کی شکل میں خلق کیا اور تمہیں قوم اور قبیلوں میں قرار دیا تاکہ پہچانے جاؤ۔ (لیکن جان لو) کہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے محترم سب سے پرہیزگار شخص ہے (حجرات/۱۳)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

> پس ان کے خدانے اُن کی دعا کو مستجاب کیا (اور فرمایا) میں تم سے مرد ہو یا زن کسی کے بھی عمل کو ضائع نہ کروں گا۔ لوگوں میں بعض، بعض، پر فضیلت رکھتے ہیں (آل عمران/۱۹۵)۔

ہاں ہم انکار نہیں کرتے کہ خداوند عالم نے مرد کو عورت پر ایک درجہ فوقیت دی ہے اور وہ بھی خاندان کی ذمہ داری اور دوام کی خاطر اور اس کا فضیلت سے کوئی ربط نہیں ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

> عورت و مرد کے ایک دوسرے پر جائز حقوق ہیں لیکن مرد عورتوں پر

> ایک درجہ برتری رکھتے ہیں اور خداوند عالم حکیم و قادر ہے (بقرہ/۲۲۸)

خداوند عالم کی حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ عورت و مرد حقوق اور واجبات میں مساوی ہوں۔ (۸۲) چنانچہ یہ اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ ذمہ داری سنبھالنا مردوں کے حوالہ کرے اس لئے کہ اس نے مرد کے اندر اس کی قوت پیدا کی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرے۔ خوف و وحشت کے حالات میں مرد، عورت کے لئے پناہ گاہ ہے۔ اور اسی مرتبہ نے مرد پر جہاد کو واجب قرار دیا ہے۔ جبکہ عورتوں پر جنگ و جہاد واجب نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی خدا نے عورت کی حفاظت اور نگہبانی کے لئے بھی جہاد کو مرد پر لازم و واجب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

> تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ راہ خدا میں، ناچار مردوں، عورتوں اور بچوں کے حق میں جہاد نہیں کرتے (نساء/۷۵)۔

یہ وہ چیز ہے جو ہمیں قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ خداوند عالم نے مردوں کو عورتوں پر برتری دی ہو۔ چنانچہ ممکن ہے کہ ایک مرد لاکھوں، عورتوں سے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے روز قیامت خدا کے نزدیک ایک عورت لاکھوں مردوں سے بہتر ہو۔

اور اس کے بعد ہمارے لئے رسول خداؐ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ جنھوں نے عورتوں کے ساتھ وہ نیک برتاؤ کیا کہ جس کی نظیر دنیا نے نہیں دیکھی۔ آنحضرتؐ نے اپنی تمام عمر میں کسی بھی زوجہ کی پٹائی نہ کی گرچہ ان میں بعض سے خوش نہ تھے۔ اور ہمیشہ عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کو احسان کرنے کی تاکید کرتے رہے۔

ان باتوں کے باوجود مسلمانوں میں آج بھی جاہلیت کا وہ جذبہ باقی ہے۔

آپ آج کل سنتے ہوں گے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو صرف اس لئے

طلاق دے دی کہ اس نے لڑکا نہیں پیدا کیا۔ اور آج قرآن کے صرف اس نعرہ کو مرد زیادہ بلند کرتے ہیں ﴿واضربوھن﴾ ان کی پٹائی کرو۔ یا یہ کہ عورت فتنہ ہے! یہ شیطان ہے! ذلت ورُسوائی کا سبب ہے!

عورت کو ہم مسلمانوں کے درمیان آج بھی پسماندہ رکھا گیا ہے۔ اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور بعض اجازت نہیں دیتے کہ باپ کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلے یہاں تک کہ شوہر کے گھر یا پھر قبر کی طرف جائے۔ اور بعض جھوٹی یا ضعیف حدیثیں جوانوں اور روشن خیال افراد کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: عورت کے لئے بہترین چیز یہ ہے نہ کوئی مرد اسے دیکھے اور نہ وہ کسی مرد کو دیکھے۔

یہ کون سی آئیڈیالوجی ہے جو قرآن کی سراسر مخالف ہے۔ اس لئے کہ قرآن نے عورت کو آزادی دی ہے اور اسے بھی مردوں کی طرح حقوق بخشے ہیں وگرنہ کیا معنی تھا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

> اے رسولؐ مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نامحرموں سے بچائیں اور اپنے دامن کو (حرام) سے محفوظ رکھیں اور یہ ان کے لئے بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے۔
>
> اور جو کچھ وہ کرتے ہیں خداوند عالم اس سے آگاہ اور واقف ہے اور مومنہ عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نامحرموں سے بچائیں اور اپنے دامن کو محفوظ رکھیں اور اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہو۔ (نور/۳۰،۳۱)

اور یہ عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی آزادی پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ (اس سے مراد عورت کا اصل باہر نکلنا ہے نہ کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کہ یہ ناجائز ہے) اور اگر ان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر اپنی نگاہوں کو نامحرموں سے بچائیں اور دامن عفت کو محفوظ رکھیں تو مردوں کا بھی یہی فریضہ ہے۔

لیکن افسوس اسلامی سماج میں آج بھی جاہل عربی فکر نظر آتی ہے۔ اور قرآن نے مسلمانوں کے لئے جس مرتبہ کا اقرار کیا تھا انھوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا اور سارے حقوق اپنے لئے مخصوص کر لئے۔ عورتوں کو حتیٰ کہ ان کے شرعی حقوق سے بھی محروم کر دیا۔ اور ان کے لئے کچھ بھی باقی نہ چھوڑا۔

میں مبالغہ سے کام نہیں لیتا اگر کہوں کہ ہماری پسماندگی کا سبب وہ ظلم ہے جسے ہم نے اپنی عورتوں پر روا رکھا ہے اور ان پر تمام دروازے بند کر دیئے ہیں یعنی نہ ثقافت، نہ تعلیم، نہ ارتباط۔ نہ باہر جانا، نہ آزادی، نہ انھیں اختیار ہے کہ وہ اپنے شریک زندگی کا خود انتخاب کریں۔ زیادہ دور کی بات نہیں ہماری عورتیں شادی تو کرتی تھیں لیکن انھیں انتخاب و اختیار کا حق حاصل نہ تھا اور پھر اختیار ہوتا بھی تو کس طرح وہ کسی کو پہچانتی ہی نہ تھیں۔ (۸۳)

اسی طرح عورت کو شب زفاف یہ پتہ چلتا کہ اسے ایسا شوہر نصیب ہوا ہے جو اس کے باپ کا ہم عمر ہے اور وہ مجبوراً اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی ہے۔ ساتھ ہی اپنی بدقسمتی پر گریہ وغصہ کرتی اور اس کے جواب میں اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے تمہارے لئے یہی چاہا ہے۔ لہٰذا سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے! اور وہ بھی دودھ دینے والی گائے کی طرح بچہ دینے، دودھ پلانے اور ان کی تربیت کرنے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے شوہر کو زیادہ بچے اچھے لگتے ہیں۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ میاں بیوی کے درمیان شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شوہر اس سے عمر میں کافی بڑا ہوتا ہے اور اس کی شرعی ضرورت کو پورا کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ غالباً شوہر بھی اسے ترک کر دیتا ہے۔ اور خواہشات کے طوفان کے مقابل اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس اندیشہ کے پیش نظر کہ اس کی خوبصورت اور جوان بیوی پر کسی کی نظر نہ پڑے اسکے گھر سے باہر نکلنے پر مکمل

پابندی لگا دیتا ہے تاکہ نہ وہ کسی کو دیکھے اور نہ ہی اسے کوئی دیکھے۔

لیکن بہر حال ہمیشہ یہ صورت باقی نہیں رہتی اور جنسی خواہش اس عورت پر غالب آتی ہے اور پہلی فرصت جو اس کے ہاتھ لگتی ہے (خواہ ردعمل کے عنوان سے ہی کیوں نہ ہو) غیر مرد کے ساتھ ناجائز عمل کی مرتکب ہوتی ہے۔ بلکہ ممکن ہے شادی شدہ عورتیں عاشق ومحبوب رکھتی ہوں۔ اسی طرح شادی شدہ مرد بھی غیر عورتوں کے ساتھ ناجائز روابط رکھتے ہوں اور اس حرام راہ سے بے گناہ بچے پیدا ہوں۔ اور سماج کو مشکلات اور فساد وتباہی میں مبتلا کردیں اور اس طرح عظیم انسانی اقدار پامال ہوجاتے ہیں اور اسلامی سماج کی فضیلت فنا ہوجاتی ہے۔ خیانت بڑھنے لگتی ہے، زنا، فحاشی، رذیلت، بدبختی، بربادی، فضیلت واعلیٰ اقدار کی جگہ لے لیتی ہیں۔

افسوس یہ وہی چیز ہے جو ہمارے سماج میں پیدا ہوگئی ہے ہمیں اس دردناک حقیقت پر توجہ دینی چاہیے اور شتر مرغ کی طرح اپنی گردن کو ریت میں چھپانے اور آنکھوں کو بند رکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

میں نے جس روز سے اسلام کو پہچانا ہے اور سمجھا کہ بہترین شریعت یہی ہے، اسی روز سے عورتوں کی آزادی کے لئے فریاد کررہا ہوں۔ اور تمام کانفرنسوں، نشستوں اور تحریروں میں عورتوں کی ترقی کا خواہاں رہا ہوں اور وہ اس لئے کہ انسانی سماج کا آدھے سے زیادہ حصہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اگر آدھا سماج مفلوج ہوجائے گا اور معاشرہ کا آدھا حصہ اپنے فریضہ کو انجام دینے سے قاصر ہوگا تو نابود ہوجائے گا۔ کیونکہ جس بدن کا ہاتھ اور پیر مفلوج اور ناکارہ ہوجائے وہ تباہ ہوجاتا ہے۔

عورتوں پر معاشرہ کا ظلم یہ ہے کہ ہم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ ہم کس طرح مردوں کی جنسی خواہش کو پورا کرسکتے ہیں۔ اور «سدباب الذرایع» کے

عنوان سے فحاشی کے عمومی مراکز مردوں کی شہوت رانی کے لئے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور بجائے اس کے اس کو قبیح اور برا سمجھیں، ایسی جگہوں پر جانے کو اپنی مردانگی کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے دوستوں کے درمیان ایسی جگہ پر آمدورفت پر فخر ومباحات کرتے ہیں۔ ان بیچاری عورتوں سے ہم بستر ہوتے ہیں اور جس وقت گھر پلٹتے ہیں اور اپنی بہنوں کو کھڑکی سے لوگوں پر نگاہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے سروں پر قیامت مچادیتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے مردانہ لات ودھکے سے ان کی ہڈی پسلی برابر کردیتے ہیں۔

یہ کیسے فقیہ ہیں جن کو ان مردوں کی جنسی خواہش کی تکمیل کی تو فکر ہوتی ہے لیکن انہوں نے ان عورتوں کی خواہش کی تکمیل کو نظر انداز کردیا؟ یہ کیوں انصاف نہیں کرتے۔

میں عورتوں کے لئے ہرگز مغربی طرز کی آزادی کا خواہاں نہیں ہوں۔ مغرب تو فاسد وملحد ہے اور کسی بھی انسانی واخلاقی اقدار کا قائل نہیں بلکہ مطلق آزادی کا معتقد ہے!

لیکن میں معتقد ہوں کہ خدا اور رسولؐ نے عورت کے لئے جو حدود معین کی ہیں یعنی حجاب، عفت، حرام سے نگاہوں کو بچانا اور دامن کو محفوظ رکھنا، باپ کے گھر میں جو حقوق بھائی کو حاصل ہیں وہی بہن کو حاصل ہیں، اسی طرح گھر میں جو حقوق شوہر کو حاصل ہیں وہی بیوی کو بھی حاصل ہیں، اور اگر ہم اس کے قائل ہوگئے تو گویا ہم نے خود کو اور سماج کو پسماندگی سے نجات دیدی۔

لیکن (اہل سنت فقہاء) اگر صرف مردوں کا خیال کریں اور انھیں عورتوں کے انتخاب میں تو آزاد رکھیں اور عورتوں کا کوئی خیال نہ رکھیں تو یہ کھلی ہوئی بے انصافی ہے۔

اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ کیا اسلام نے بھی یہی رویہ برتا ہے؟ کیا اسلام نے جن چیزوں کو مردوں کے لئے مباح جانا ہے اسے عورتوں کے لئے حرام قرار دیا ہے؟

جنسی مسائل کے متعلق رسول اسلامؐ کے کثرت سے ارشادات موجود ہیں اس مشکل کے حل بھی بیان فرمائے ہیں جس کے ذریعہ اسلامی سماج کو فساد وفحاشی سے محفوظ کیا جاسکتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:

> اے جوانوں! جو بھی شادی کرسکتا ہے اسے شادی کرلینی چاہیے اس لئے کہ حرام سے دامن اور نگاہوں کو بچانے کے لئے (یہی) بہتر ہے ہے اور جو شادی نہیں کرسکتا اسے روزہ رکھنا چاہیے۔ (صحیح بخاری/ج۷، ص۳ کتاب النکاح)

یہ ان جوانوں کے لئے راہ حل ہے جو شادی کرسکتے ہیں۔ پس جو بھی شادی کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس نے اپنے جنسی غریزہ کو محفوظ کرلیا اور شادی دونوں کے لئے راہ حل ہے۔ لیکن جو جوان شادی نہیں کرسکتے ان کی مشکل ویسے ہی اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ اور جب آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایسے جوان موجود تھے جو شادی کے لئے مالی امکان نہ رکھتے تھے جبکہ اس زمانہ میں شادی خرچ کے بغیر اور سادہ ہوا کرتی تھی، تو پھر آج کے جوان کے لئے کیا کہیں؟

آج شادی بہت مشکل ہے اس لئے کہ:

جوان چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کم ازکم ۲۵ سال تک تحصیل علم میں مشغول رہتا ہے اس کے بعد اسے کسی کام کی تلاش ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کے اخراجات پورے کرسکے۔ پھر اس کے بعد ایک گھر کو آمادہ اور تیار کرنا ہوتا ہے جس میں زمانہ کے لحاظ سے پورے وسائل موجود ہوں، پس کم ازکم پانچ سال مسلسل تلاش وکوشش کرنی پڑتی ہے تاکہ وہ شادی کرسکیں اس صورت میں شادی کے لئے جو سن ہوگا وہ ۳۰ سال ہے۔ پس وہ جوان مرد یا عورت جو ۱۵ اور بارہ

سال سے ہی شادی کے لحاظ سے جنسی غریزہ کی قدرت رکھتے ہیں لیکن ۳۰ سال تک شادی نہیں کرسکتے اس طولانی مدت میں کیا کریں؟ اگر یہ کہیں کہ وہ اس مدت میں راہب ہوگئے اور زہد سے کام لیا اور اصلاً جنسی غریزہ کی فکر میں نہ تھے تو ہم نے اپنے آپ سے جھوٹ بولا۔ اس لئے کہ وہ بشر ہیں فرشتے نہیں ہیں۔ اور خاص کر اس زمانہ میں کہ جب زن و مرد کا ملنا جلنا بشری زندگی کی ضرورت بن چکا ہے۔ اس لئے کہ یونیورسٹیوں میں دونوں ہی ایک جگہ پڑھتے ہیں۔ کم سنی سے قطع نظر کہ وہاں بھی خلط ملط ہیں پھر کیا ہوگا؟

اس کا نتیجہ طالب علم بھی جانتا ہے، استاد بھی جانتا ہے اور اہل خانہ بھی!

راہ حل، موقت شادی (متعہ)

جیسا کہ ہم نے دو نمازوں کو یکے بعد دیگرے پڑھنے کے بیان میں عرض کیا تھا کہ خداوند عالم بشر کا خالق ہے اور وہی انسان کا پالنے والا ہے، اور مہربانی وعطوفت کے تقاضے کی بنیاد پر چاہتا ہے کہ اس کے بندے آسانی اور آسائش کے ساتھ زندگی گزاریں وہ انھیں مصلحتوں اور فائدہ کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿الا یعلم من خلق وهو اللطیف الخبیر﴾

کیا اس جہاں کا خالق نہیں جانتا جب کہ وہ خلقت کے تمام اسرار سے آگاہ ہے۔ (ملک/۱۴)

لہذا عقل کیسے تصور کر سکتی ہے کہ خدا انسان کو مجبور بنائے اس میں شدید جنسی خواہش پیدا کرے اور اس کے بعد اسے خواہش کی تکمیل کے جرم میں سنگسار کرنے یا کوڑے لگائے جانے کا حکم دے۔

کیا اس بات کا امکان ہے کہ ہم اس طرح کے احکام کو بیان کرنے کے بعد لوگوں کو اسلام کی طرف بلا سکیں؟ اور لوگوں سے کہہ سکیں کہ خدا لطف کرنے والا اور مہربان ہے؟ یا خدا اپنے بندوں کے لئے آسانی چاہتا ہے؟ یا خدا ہر شخص کو اس کی قوت کے مطابق فرائض سپرد کرتا ہے؟ یا دین میں ہمارے لئے مشکل ومشقت قرار نہیں دی گئی؟ جب کہ ایسی بڑی مشکل کے لئے کوئی راہ حل پیش نہ کی گئی ہو؟

قبل اس کے کہ ہم دوسروں کو اس حقیقت کا قائل کریں کیا ہم خود قائل

ہوگئے ہیں؟ نہیں! اور ہزار بار نہیں! اس لئے کہ ممکن ہے جنسی عمل زور زبردستی کے ساتھ نہ ہو بلکہ زن ومرد کے مابین عشق ومحبت بھی ہو اور ان میں مکمل موافقت اور رضامندی بھی پائی جاتی ہو چنانچہ اس صورت میں کسی کو نقصان بھی نہ ہوگا اس لئے کہ وہ احتیاط سے کام لیں گے کہ حمل وولادت کا مسئلہ پیش نہ آئے۔ پس ایسا شخص کیوں قتل کیا جائے جبکہ اس نے ایک عورت کی جنسی خواہش کو پورا کیا ہے جو شادی نہیں کر سکتی ہے اور اس کی حیا وعفت کو زنا وفحاش گری سے باز رکھا ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جب کہ ہم عورتوں پر اپنے سماج کے ظلم وستم کا اعتراف کرتے ہیں۔

لہذا اس میں شک نہیں کہ جس خدا نے مسافر اور مریض کو ماہ رمضان روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے یا مسافر کو اس بات کی اجازت ہے کہ نماز کو قصر یا بعض اوقات بیٹھ کر یا لیٹ کر یا مسلمان کو اس کی اجازت ہے کہ پانی نہ ملنے پر نماز کے لئے تیمم کرے اور زمین مطہر کو سجدہ گاہ قرار دیا ہے یا اسی خدا نے اجازت دی ہے کہ مسلمان جان، مال، ناموس کی حفاظت کے لئے کفر کا اظہار بھی کر سکتا ہے یا اسی نے اجازت فرمائی ہے کہ ماہ رمضان کی شبوں میں مسلمان اپنی زوجہ سے ہم بستر ہو۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عورت ومرد دونوں کے لئے مشکل ہے کہ ایک ماہ تک صحبت نہ کریں۔

لہذا اس نے فرمایا ہے:

تمہارے لئے جائز اور حلال ہے کہ ماہ رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کرو۔ وہ تمہارا لباس اور تم ان کے لباس ہو۔ خداوند عالم کو علم ہے کہ تم (اس کام میں) نافرمانی کر کے اپنے نفس کو گناہوں میں ڈھکیل دیتے ہو۔ لہذا اس نے (ماہ رمضان کی شبوں) میں حرمت کے حکم سے درگزر کی اور تمہارے گناہ بخش دیئے پس اب تم اپنی زوجہ کے ساتھ ماہ رمضان کی شبوں میں (حلال طور پر) مباشرت

کر سکتے ہو۔

(بقرہ/۱۸۷)

پس جب ایسا ہے تو جس خدا نے اس جنسی خواہش کو خود خلق فرمایا اور اس کے ہیجان و انقلاب سے اچھی طرح واقف ہونے کے ساتھ سماج کی ویرانی میں اس کے خطرناک نتائج کے متعلق دوسروں سے زیادہ واقف ہے تو کیا خود اس نے سکوت اختیار کر رکھا ہے؟

اگر خدا نے عورت کو مرد کے لئے اور مرد کو عورت کے لئے خلق کیا ہے تا کہ ذہنی اطمینان اور روحی سکون حاصل ہو!

> اگر خدا نے عورت ومرد کو مٹی سے خلق کیا اور ان کو ایک دوسرے کا ہمسر بنایا ہے تا کہ قلبی سکون حاصل ہو! (۸۴)

تو اس کا مطلب ہے خداوند عالم نے اس خواہش کی تکمیل کے لئے جائز راہ حل بھی معین کی ہے تا کہ دونوں (مرد وعورت) محبت وعشق کے ساتھ ایک پر سکون زندگی گذاریں۔

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق نظر ہے کہ خدائے رحیم نے اپنے بندوں (عورت و مرد) کو اپنے لطف، رحم اور کرم کا مورد قرار دیا ہے اور انھیں موقت شادی (متعہ) کی اجازت فرمائی ہے۔ اور یہ الٰہی رحمت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس لئے کہ اصحاب اپنی ان تمام پارسائی وتقویٰ کے باوجود جنسی غریزہ کے شدید ہیجان پر صبر وتحمل نہ کرسکے اور آنحضرتؐ سے شکایت کی اور آنحضرتؐ سے خود کو نامرد بنانے کی اجازت طلب کی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں قیس بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

> ہم ایک غزوہ میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے لیکن ہماری بیویاں ساتھ نہ تھیں۔ ہم نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، کیا آپ ہمیں اجازت دیتے

ہیں کہ ہم خود کو خصی بنالیں اور اپنی مردانگی ختم کرڈالیں؟

تو آنحضرتؐ نے ہم کو سختی سے منع کیا اور پھر عورتوں سے موقت شادی (متعہ) کی ہمیں اجازت عطا فرمائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

> اے ایمان والوں جن پاک وپاکیزہ چیزوں کو خدا نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اسے اپنے آپ پر حرام نہ کرو۔ (مائدہ/۸۷)، (۸۵)

اللہ اکبر! خدا کا شکر! خداوند عالم نے اپنے بندوں پر کس درجہ لطف وکرم کیا ہے اور ان پر کس قدر مہربان ہے۔ جو بندوں کو خود کو نامرد بنانے سے منع کرتا ہے اور اجازت دیتا ہے کہ عورتوں سے متعہ کریں۔ اور انھیں متعہ کو حرام کرنے سے منع کرتا ہے اس لئے کہ یہ ان طیبات میں سے جس کو خدا نے ان پر حلال کیا ہے۔

یہ بندوں پر خداوند عالم کی مہربانی کی دلیل ہے کہ وہ خود کو نقصان نہ پہنچائیں اور خود کو نامرد نہ بنائیں کہ یہ حرام فعل ہے۔

اس بنا پر جنسی عمل آدمی کی فطرت کا حصہ ہے اور اس کو باقی رکھنا چاہیے اور بہتر طریقہ سے انجام دینا چاہیے۔ نہ یہ کہ اپنے آپ پر زبردستی کرکے اسے گھونٹ دیا جائے جو کہ جسمانی اور نفسانی امراض کے وجود میں آنے کا باعث ہوگا۔

البتہ یہ سارے مسائل انھیں حدود کے اندر انجام پانے چاہئیں جن کو خدا نے متعین کیا ہے اور پیغمبرؐ نے اس کے متعلق بیان کیا ہے۔

اور اب ہم ان سے کہتے ہیں کہ اس دعوے کو کوئی بھی عقل سلیم قبول نہ کرے گی۔ اس لئے یہ اجازت خداوند عالم کی جانب سے عطا ہوئی ہے جو مسلمان مرد وعورت کی جنسی خواہش کی مشکل کو حل کرتی ہے۔ کیا یہ مشکل حل ہوگئی ہے کہ اس اجازت کا خاتمہ ہوجائے؟ یا پھر رسول کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ خدا نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسے حرام کردیں؟ یا پھر ممکن ہے اسلامی شریعت

میں اجازت دی گئی ہو اور ایک حلال کا حکم دیا گیا ہو پھر خدا اسے حرام کردے؟

نہیں! خدا کی قسم ایسا نہیں ہے! خدا کی رحمت ہو امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام پر کہ آپ نے فرمایا:

> متعہ ایک رحمت ہے جس کے ذریعہ خداوند عالم نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ اور اگر حضرت عمرؓ اسے منع نہ کرتے تو سوائے بدبخت و روسیاہ انسانوں کے کوئی زنا نہ کرتا۔ (۸۶)

فی الحال ہمارا مقصد اس کی حلیت کو ثابت کرنا نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے اپنی کتاب، (سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں اسے ثابت کیا ہے۔ ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل بیتؑ نے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں شایان تحسین، خدمات پیش کی ہیں۔ اور دین کو اس کے قیمتی مفہوم کے ساتھ محفوظ رکھا ہے تاکہ ہر زمانہ میں وہ اپنا سرا اونچا رکھے اور ترقی کے ساتھ ہم آہنگ رہے۔

بہر حال مسلمانوں کو ایسی روش نہیں مل سکتی جو انھیں ہدایت و روشنی کی طرف لے جائے اور راہل بیتؑ کے طرز و روش سے بہتر ہو۔ وہ مکتب کہ جو زمانہ کے ساتھ چل رہا ہو اور ہر تمدن و ترقی سے متمدن ہو سوائے مکتب اہل بیتؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ مکتب ہے جسکی بنیاد قرآن اور پیغمبرؐ کی پاک سنت پر رکھی گئی ہے۔

> آیا جو شخص دین حق کی راہ دکھاتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے (حکم کی) پیروی کی جائے یا وہ شخص جو (دوسروں کی ہدایت تو درکنار) خود ہی جب تک دوسرا اسے راہ نہ دکھائے، راہ نہیں دیکھ پاتا۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے ہو۔ (یونس/۳۵)

موقت شادی (متعہ) کے فائدے

موقت شادی بندگان خدا یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے رحمت ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی ہم نے عرض کیا ہے کہ مرد مطلق آزادی کے مالک ہیں اور عمومی مراکز (جس کی قانونی طور پر حمایت بھی ہوتی ہے) میں اپنی خواہش کی تکمیل بھی کر سکتے ہیں حتیٰ کہ چار عورتوں کو اپنے دائمی عقد میں لا سکتے ہیں اور پھر ان کے لئے موقت شادی کا امکان ہر جگہ اور ہر وقت ہے۔ لہٰذا میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ موقت شادی جس کی خدا نے اجازت فرمائی ہے اس لئے ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہو جائیں۔ اس لئے کہ یہ شادی اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ عورت بھی ایک یا دو یا اس سے زیادہ شوہر اختیار کرے البتہ عدت اور دیگر شرطیں جو کہ فقہائے مراجع کے توضیح المسائل میں موجود ہیں ان کو پورا کرنے کے بعد۔ اس جگہ پر عورت و مرد کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد ایک وقت میں چار عورتیں رکھ سکتا ہے لیکن عورت ایک سے زیادہ شوہر نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ رحم میں دو مردوں کے مادۂ منویہ کے مخلوط ہونے کا امکان ہے اور اس صورت میں اگر حمل قرار پائے تو بچہ کے باپ کی تعیین نہیں ہو سکتی لیکن مرد کے لئے یہ مشکل نہیں ہے چاہے اس کے پاس بیس عورتیں ہوں۔ (۸۷)

اور یہ بندوں کے درمیان خدا کی سنت ہے کہ اس کو ہم حیوانات کے درمیان بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

> کوئی زمین پر چلنے پھرنے والا (حیوان) یا اپنے دونوں پروں سے

اڑنے والا پرندنہیں ہے مگر یہ کہ ان کی تمہاری طرح جماعتیں ہیں۔
(انعام/۳۸)

ایک روز ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے اگر ایسا ہے تو یائسہ عورت (جسے حیض آنا بند ہو چکا ہو) جو قطعاً حاملہ نہیں ہوتی، ایک وقت میں دو شوہر سے شادی کر سکتی ہے کیونکہ جو علت مانع تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔

ہم نے کہا: ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلامی احکام علت پر موقوف نہیں ہیں جو علت ساقط ہونے سے ختم ہو جائیں! اگر ہم کہیں کہ شراب اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ مست کر دیتی ہے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:

مستی کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ ہوتا کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر متوجہ ہو جاؤ۔ (نساء/۴۳)

تو اگر کوئی ایک یا دو گلاس شراب پیئے اور اس کی عقل پر اثر نہ ہو تو کیا شراب کی حرمت کا حکم ختم ہو گیا؟ نہیں! میرے عزیز دوست! زیادہ ہو یا کم نشہ آور تو نشہ آور ہے جب یہ زیادہ حرام ہے تو کم بھی حرام ہے۔

یا مثلاً ہم کہیں کہ سور کا گوشت اس لئے حرام ہے کہ وہ نجاست وکثافت ہے۔ تو کیا وہ اسٹرلائیز کرنے سے حلال ہو جائے گا؟ اور پھر خداوند عالم کے احکام صرف ایک علت میں منحصر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ممکن ہے ہر چیز کے لئے متعدد علتیں ہوں اور انھیں سوائے خدا کے اور کوئی نہ جانتا ہو۔

لہٰذا احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے اور ان کی پوری پوری اطاعت کرنا چاہئے اس لئے کہ اس نے جو بھی حکم دیا ہے اس میں سوائے بندوں کی بھلائی اور کامیابی کے کچھ نہیں ہے:

کیا یہ لوگ تم سے بھی زمانہ جاہلیت کے سے حکم کی تمنا رکھتے ہیں حالانکہ یقین رکھنے والوں کے لئے حکم خدا سے بہتر کون ہوگا (مائدہ/۵۰)۔

یہ حکم خدا ہے جو وہ تمہارے درمیان صادر کرتا ہے اور خدا بڑا واقف کار وحکیم ہے (ممتحنہ/۱۰)۔

اس بنا پر مومنین کو چاہیے کہ آنکھ کان بند کر کے خدا کے حکم کی اطاعت کریں اور اسے دل وجان سے قبول کریں۔

خداوند عالم فرماتا ہے.

اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ہے اور نہ کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کے رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے اس کام (کے کرنے نہ کرنے) کا اختیار ہو اور (یاد رہے کہ) جس شخص نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے۔ (احزاب/۳۶)

مومنین ومومنات کے اوپر فرض ہے کہ متعہ کے متعلق حکم خدا کو قبول کریں اور خدا کی اس بڑی رحمت پر شکر کریں خصوصاً عورت کہ اس وقتی شادی میں خدا نے تمام حقوق اس کے ہاتھ میں قرار دیئے ہیں اور مرد کو سوائے قبول یا انکار کے کوئی حق نہیں دیا ہے۔

دائمی شادی میں ہم بستری کا حق مرد کے ہاتھ میں ہے اور اگر شوہر نے عورت سے ہم بستر ہونا چاہا تو عورت کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے حتیٰ کہ وہ شرعاً مستحب روزہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھ سکتی۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس جس وقت تم چاہو ان سے مباشرت کر سکتے ہو۔ (بقرہ/۲۲۳)

اسی طرح طلاق کا حق مرد کو دیا ہے۔

اے رسول، مسلمانوں سے کہہ دیجئے) کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو ان کی عدت (پاکی) کے وقت طلاق دو (طلاق)/۱)۔

اسی طرح عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرنے کا حق مرد کو دیا ہے اور فرمایا ہے:

اور اگر ان کے شوہر میل جول کرنا چاہیں تو وہ مدت (مذکورہ) میں ان کے واپس بلالینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (بقرہ/۲۲۸)

نیز تین مرتبہ طلاق کا حق مرد کو دیا ہے۔

طلاق (رجعی جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے) دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو شریعت کے موافق روک ہی لینا چاہیے یا حسن سلوک سے (تیسری دفعہ) بالکل رخصت۔ (بقرہ/۲۲۹)۔

دوسری جگہ پر فرمایا:

اور عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین اور چار چار نکاح کرو۔ (نساء/۳)

لیکن وقتی شادی (متعہ) میں ساری چیزیں عورت کے ہاتھ میں ہیں، اس میں وہ طے کرتی ہے حتیٰ خطبہ نکاح وہی پڑھتی ہے اور کہتی ہے: میں اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں قرار دیتی ہوں، معین مہر اور معین وقت کے لئے۔ (نیز وہ دیگر شرطوں کا اضافہ بھی کرسکتی ہے اور اس کے جواب میں مرد کو کہنا ہے کہ میں قبول کرتا ہوں یا رد کرتا ہوں۔ پس عورت ہی اس شادی کی تاریخ معین کرتی ہے اور وہی طلاق کی مدت کو بغیر کسی قید وشرط کے بیان کرتی ہے۔

اور اس وقت عورت جو شرط چاہے کرسکتی ہے مثلاً یہ شرط کرے کہ اس شادی کی تمام مدت میں تم مجھ سے الگ نہیں رہ سکتے یا یہ کہ ہنی مون مکہ مکرمہ میں منائیں گے۔

اہم یہ ہے کہ اس شادی میں عورت جو چاہے شرط کرسکتی ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انھیں جو مہر معین کیا ہے دے دو اور

مہر کے مقرر ہونے کے بعد اگر کم وبیش پر راضی ہوجاؤ تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اور جان لو کہ خدا ہر چیز سے واقف اور حکیم ہے۔ (نساء/۲۴)

عورت کی شرافت کے لئے یہی بس ہے کہ نکاح متعہ خود اس کی جانب سے ہے اور اس کے ولی امر سے اس کا کوئی ربط نہیں، بالفاظ دیگر عورت خود مرد سے عقد کرتی ہے اور اس سے شادی کرتی ہے۔

لیکن افسوس مسلمان اس ازدواج کو صرف تنقید کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے بہت تھوڑے سے منفی پہلو پر تو نگاہ رکھتے ہیں لیکن اس کے بہت سے مثبت پہلو کو نہیں دیکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر کام کے مثبت اور منفی پہلو ہیں اور چونکہ یہ ازدواج حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ سے کھل کر سامنے نہ آسکا اس لئے عمل کی منزل میں نہ آیا یہی وجہ ہے کہ بعض اسے زنا سمجھتے ہیں اور اسے تعجب ونفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ متعہ دراصل ایک برا کام ہے ہرگز نہیں! افسوس کہ لوگ اسے نہیں سمجھتے اور عمل نہیں کرتے۔

بطور مثال دو نمازوں کو یکے بعد دیگرے پڑھنا یا خمس دینا یا پیر کا مسح، جبکہ یہ تینوں چیزیں قرآن میں ہیں اور رسولؐ نے ان پر عمل کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس سے بے خبر ہیں اور تعجب کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس سے آشنا نہ تھے اور انھیں پہلے سے اس کی واقفیت بھی نہ تھی۔

تعجب تو اس بات پر ہے۔ کہ زنا پر اس درجہ حیرت نہیں کرتے جتنا متعہ پر کرتے ہیں حتیٰ کہ ایک برے کردار والی لڑکی نے ایک جوان سے زنا کرنے کو کہا تو اس جوان نے زنا سے گریز کرتے ہوئے کہا آؤ اس کے بجائے متعہ کرلیں تو عورت نے قبول نہ کیا اس لئے کہ وہ اس قسم کی شادی سے واقف نہ تھی۔

تحصیل صرف ساتھ بیٹھنے، دوستی، یا پھر ہم بستر ہوئے بغیر لذت اٹھانے کی غرض سے وقتی شادی کرلیں تو پھر اس کے بعد اگر چاہیں تو دائمی نکاح بھی کرسکتے ہیں اس صورت میں وقتی شادی (متعہ) ان دونوں کو ایک دوسرے سے آشنا ہونے کا موقع فراہم کرے گی۔ اور راستے کی تمام رکاوٹوں کو ختم کردے گی۔

اس طرح یہ عقد ان کے لئے راحت وآسائش کے اسباب فراہم کردے گا، وہ آسانی کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں گے۔ اور اس صورت میں ان کا ضمیر بھی مطمئن ہوگا نیز انھیں خدا کی رضائیت بھی حاصل رہے گی اور وہ دیگر طالب علموں کے اعتراض سے بھی محفوظ ہوجائیں گے۔

لیکن افسوس یونیورسٹی کی طالبہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ منتقل ہوتی رہے۔ اور اس کے پرس میں دسیوں عشقیہ خط موجود ہوں یا دیگر رسوائی کی چیزیں۔ یا پھر جوان لڑکے، لڑکیوں کے مقدر سے کھیلتے رہیں اور سب کو آلودہ کرتے رہیں اور ان کے مستقبل کو کھلونا بنالیں اور ان کے جذبات کے ساتھ ان کے گھر والوں کے جذبات کا بھی مذاق اڑائیں۔ وہ بس اتنا سوچتے ہیں کہ یہ لڑکی دوران تحصیل علم ان کی دوست تھی اور اس کا زمانہ ختم ہوتے ہی وہ اپنی راہ جائے گی اور یہ اپنی راہ۔ خواہ اس کی طرف دسیوں انگلیاں اٹھیں یا اسے دسیوں حل نہ ہونے والی نفسیاتی مشکلات کے ساتھ گھر روانہ کردیں اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں!!

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جھوٹے وعدے بھی ہوں، خیانتیں بھی ہوں جس کا نتیجہ سماج کے اندر سوائے کینہ، کدورت اور انتقام کی راہ کھلنے کے اور کچھ نہ ہوگا۔ لہٰذا اس طرح کا رابطہ معقول نہیں ہے!

۲۔ وہ مسافر جو بیوی کے بغیر طویل مدت تک سفر میں رہتا ہے، اگر صبر کر سکتا ہے تو کرنا چاہیے ورگرنہ اسے وقتی شادی (متعہ) کرنا چاہیے جو کہ اس کے لئے

صبر وقرار کا باعث ہوگا۔ اور بلاشبہ بیوی اس بات کی اجازت دے گی اس لئے کہ وہ اپنے شوہر کو اچھی طرح پہچانتی ہے اس کا شوہر ہر روز طوائف اور بازاری عورتوں کے پیچھے جائے جو اس سے پیسہ بھی لیں اور خطرناک امراض بھی اسے منتقل کریں اس سے اس کے لئے کہیں بہتر ہوگا کہ اس کا شوہر شریف و پاکدامن عورت سے عقد کرلے جو اس کی شرافت کو محفوظ بھی رکھے گی۔ وقتی شادی کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ عورت عدت کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری شادی نہیں کرسکتی یعنی (دو حیض یا دو ماہ تک اسے دوسرا شوہر اختیار کرنے کا حق نہیں ہے) لہٰذا یہ عقد سوائے طہارت، پاکدامنی اور شرافت کے اور کچھ نہیں ہے۔

۳۔ یہ عقد اُن لڑکیوں کی مشکل کو بھی حل کرتا ہے جو شادی کے سن کو تو پہنچ چکی ہیں لیکن انھوں شادی نہیں کی ہے انھیں اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حلال راستے سے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کریں۔

۴۔ یہ عقد بیوہ عورتوں کی بھی مشکل کو حل کردیتا ہے کہ جو اپنے بچوں یا پھر دیگر اسباب کی بنیاد پر دائمی عقد نہیں کرسکتیں۔

۵۔ ہمارے عربی اسلامی سماج میں اکثر یہ اتفاق ہوا ہے کہ ایک خوبصورت بیوہ عورت ایسے جوان پر عاشق ہوتی ہے جو اس کے لڑکے کی عمر کا ہے اور افسوس! یہ جوان بھی اس کے ذریعہ جنسی مسائل سے واقف ہوتا ہے۔ ممکن ہے وہ حرام صورت میں ایک ساتھ رہتے اور ہم بستر ہوتے ہوں، وقتی شادی (متعہ) ان کی اس معاشرت ومباشرت کو حلال کردیتی ہے اور ان کی آبرو کو محفوظ رکھتی ہے۔

۶۔ وہ عورت جو سفر کرنے سے ڈرتی ہے یا بعض ممالک صرف اس صورت میں اپنے یہاں آنے کی اجازت دیتے ہیں جب ساتھ میں کوئی محرم ہو۔ تو یہ عورتیں صرف سفر کی غرض سے وقتی عقد (متعہ) کرسکتی ہے اور یہ عقد بغیر کسی جنسی اختلاط کے ایک مصلحت کے لئے ہوسکتا ہے۔

۷۔ وہ شخص جس نے کسی عورت کو گھر کے کاموں میں بیوی کی مدد کرنے کے لئے رکھا ہے اسلام اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اسے ہاتھ لگائے یا بے پردہ اس کے روبرو ہو۔ اس لئے کہ شاید بے پردگی اسے کام سے روک دے لیکن یہ شخص اپنے چھوٹے بچہ سے اس کا وقتی عقد کر کے اسے اپنے لئے محرم بنا سکتا ہے اور پھر بے پردگی کی مشکل نہ ہوگی۔

۸۔ اگر کوئی لڑکی جو درس و بحث یا زبان وغیرہ سیکھنے کی غرض سے کسی نامحرم جوان کے ساتھ تنہائی کے لئے مجبور ہے تو اسلام اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ دو نامحرم ایسی جگہ ہوں جہاں کوئی اور نہ ہو۔

روایت میں ہے کہ کوئی بھی مرد و عورت ایسے نہیں جو ایک ساتھ تنہائی میں ہوں اور ان میں شیطان تیسرا نہ بنا ہو۔

وقتی عقد (متعہ) اس مشکل کو حل کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ حجاب کو اتار دے۔ اہم یہ ہے کہ عورت جو چاہے شرط کر سکتی ہے۔

دیگر مختلف موارد موجود ہیں کہ ان میں متعہ واقعاً لوگوں کے لئے ایک رحمت ہے جس کی وجہ سے لوگ حرام سے محفوظ رہتے ہیں اور اسلامی سماج بھی ہر جہت سے پاک و پاکیزہ رہتا ہے نیز جسمانی و نفسیاتی امراض بھی دور رہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ نسلوں کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے۔

> اے رسولؐ کہہ دیجئے خداوند عالم برے اور فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا تو کیا جس کے بارے میں تم نہیں جانتے خدا پر (جھوٹ) باندھتے ہو۔
> (اعراف/۲۸)
>
> خدا نیکی، عدل اور اپنوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور فحاشی، ظلم اور سرکشی سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پاؤ
> (نحل/۹۰)

حضرت مہدیؑ

عام طور سے مسلمان ماضی و حال دونوں میں ایک نجات دینے والے کے آنے کے معتقد ہیں جو انھیں ان کی عزت و شوکت اور ان کی عظمت کو پلٹا دے اور جن چیزوں کو ظالموں نے تباہ کر دیا ہے ان کی اصلاح کر دے۔ وہ دین کی نشانیوں کو امت کے لئے پھر سے ظاہر کرے گا۔ اور یہ نجات دینے والا مصلح، حضرت مہدیؑ منتظر (سلام اللہ علیہ) ہیں جن کے متعلق ان کے جد رسول اکرمؐ نے بشارت دی ہے اور فرمایا ہے:

> اور دنیا کا وجود صرف ایک روز کے لئے رہ جائے تو بھی خدا اسے اس درجہ طولانی کر دے گا کہ اس میں حضرت مہدیؑ جو میری اولاد میں سے ہیں انھیں ظاہر کرے۔ ان کا نام میرے نام پر ہے وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ ظلم و ستم سے بھر چکی ہوگی۔
> (۸۸)

بشریت کا یہ نجات دہندہ جو انبیاء کی راہ کو آگے بڑھائے گا اور اسے کمال کی منزل پر پہنچائے گا تاکہ نور خدا اس کے ہاتھوں پوری طرح پھیل جائے، اس کا انتظار تینوں مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) کر رہے ہیں اور بہت سی روایات جو مورد تائید ہیں اس کے متعلق بیان کرتی ہیں۔ اور یہ جو ہم معتقد ہیں کہ شریعت محمدیؐ آخری شریعت اور آخری آئین ہے آنحضرتؐ کی ہی نسل سے اور بارہ اماموں کی آخری فرد ہیں اور حضرت عیسیٰؑ ان کی عظمت کی خاطر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

یہاں ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم حضرت مہدیؑ کے متعلق تاریخی اور احادیث نبوی کی روشنی میں بحث کریں اس لئے کہ اس کے متعلق ہم نے اپنی کتاب (بچوں کے ساتھ ہوجاؤ) میں بحث کی ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق دیگر بہت سے کتابیں بھی لکھی گئی ہیں (۸۹)۔

ہم یہاں صرف عقائد اور احکام میں اہل بیتؑ کے نظریات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے نظریات جو موجودہ زمانہ کی ترقی اور حالات کے ساتھ سازگار ہیں۔

مادی مسائل ومشکلات نے کسی حد تک یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے آنکھ کان بند کردیئے ہیں اور ان کو دین سے دور کردیا ہے گویا وہ اپنی زندگی میں الحادی، مادی اور غیر جانبدار نظریات میں گرفتار ہیں۔ انکا معنوی اور روحی عقیدہ کمزور پڑگیا ہے لہٰذا وہ ایسی راہ حل کی تلاش میں تھے اور انھیں یہ راہ صرف آسمانی بشارتوں میں نظر آئی۔

اس کے علاوہ وہ خونی جنگیں جنھوں نے بشریت کو ناتواں اور کمزور بنادیا ہے خصوصاً وہ افراد جو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بھوک سے موت کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں لیکن ظالم ذرا بھی باز نہیں آتے بلکہ ان کی حرکتوں میں مزید تیزی آجاتی ہے وہ اور زیادہ تباہی اور ویرانی پھیلانے والے جدید ہتھیار تیار کرتے ہیں اور قوموں کو ثقافتی، معاشی اور تکنیکی مراحل میں اپنا غلام بناتے جارہے ہیں۔

اگر آرزو نہ ہوتی اور مستقبل کے بہتر ہونے کی امید نہ ہوتی کہ جس میں اسے عدالت وامن وامان وشرف حاصل ہوگا تو نہ اس دنیا اور اس کی زندگی میں کوئی لذت ہوتی اور نہ ہی کوئی مفہوم ہوتا۔

اور اگر مسلمانوں کا خداوند عالم پر ایمان نہ ہوتا کہ اس نے اپنے دین کی

مدد کا وعدہ کیا ہے تاکہ اسے دیگر ادیان پر فوقیت حاصل ہو تو ناامیدی اور مایوسی لوگوں پر چھاجاتی اور وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوتے۔ لیکن یہ ایمان ہے جو نشاط، زندہ دلی، اچھے کل کی آرزو اور زندگی سے محبت کو انسان میں باقی رکھتا ہے۔ اور ان کو مشکلات وپریشانی میں شدت کے بعد اس کے خاتمہ کے لئے ظہور کے انتظار پر آمادہ رکھتا ہے۔

یہی وہ حضرت مہدیؑ ہیں جو مسلمانوں اور انسانیت کی آرزو ہیں۔

ان کے اوپر ایمان رکھنے پر دوسروں کو ہرگز مذاق نہیں اڑانا چاہیے خداوند عالم فرماتا ہے:

اے پیغمبرؐ! میرے ایمان دار بندوں سے کہہ دیجیے جنہوں نے (گناہ کرکے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں) تم لوگ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور اپنے اسی پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے فرمانبردار بن جاؤ اس وقت سے قبل کہ تم پر عذاب آنازل ہو اور پھر تمہاری مدد نہ کی جاسکے اور جو اچھی باتیں تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہیں ان پر چلو اس کے قبل کہ تم پر یکبارگی عذاب نازل ہو اور تم کو اس کی کوئی خبر بھی نہ ہو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ (تم میں سے) کوئی شخص کہنے لگے کہ:

ہائے! افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا (کی بارگاہ) کا تقرب حاصل کرنے میں کی اور میں تو بس ان باتوں پر ہنستا ہی رہتا تھا۔ (زمر/۵۶،۵۳)

اہل بیتؑ کی کتاب

پھر میں ہدایت پا گیا

اہل بیتؑ، صاحب کرامت ہیں اور اس وقت بھی ان کی کرامات جاری وساری ہیں اور مختلف جگہوں پر ہم شیعوں کو اہل بیتؑ کی کرامات بیان کرتے ہوئے سنتے ہیں، ایسی کرامات جن کے وہ خود شاہد وناظر رہے ہیں۔ اور پھر ایسا کیوں نہ ہو یہ ہدایت کرنے والے ائمہؑ، خدا کی علامتیں اور تاریکی کے چراغ ہیں۔ اگرچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے زمانہ میں ان کی قدرومنزلت کو نہ پہچانا لیکن ہمیں یہ بتایا کہ یہ خدا کے نزدیک عظیم شان ومرتبہ کے حامل ہیں۔ اس لئے کہ خود انھوں نے رسولؐ کے چچا جناب عباسؓ سے توسل کیا۔ جبکہ عباسؓ ان میں سے نہیں ہیں جن سے اللہ نے ہر نجاست وپلیدی کو دور کیا ہو۔ اور پاک وطاہر قرار دیا ہو اور نہ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر درود بھیجنا خدا نے اسی طرح واجب کیا ہے جیسے اپنے رسولؐ پر واجب کیا ہے۔ نہ ہی ان میں سے ہیں جن کی محبت ومودت کو خدا نے مسلمانوں پر واجب اور فرض قرار دیا ہے۔ وہ ان میں سے بھی نہیں ہیں کہ خدا نے انھیں علم کتاب عطا کیا ہے۔ اور قرآن میں ان پر سلام کیا ہے۔ اور فرمایا ہو ﴿سلام علٰی ال یاسین﴾ وہ ان ائمہ میں بھی نہیں جن کی پیروی رسولؐ نے اپنی امت پر واجب قرار دی ہے۔ اور نہ ہی علم رسولؐ کے وارث ہیں۔

لیکن اس کے باوجود خدا نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی دعا کو مستجاب کیا

کیوں کہ انھوں نے رسولؐ کے چچا کو وسیلہ بنایا تھا۔ اور اگر انھوں نے علی، فاطمہ، حسن، حسین، علیہم السلام سے توسل کیا ہوتا تو خدا آسمان وزمین سے اپنی نعمت ان پر نازل کرتا۔ اور وہ اپنے قدموں کے نیچے اور سر کے اوپر کثرت سے خدا کی نعمتیں دیکھتے اور استفادہ کرتے۔

اہم یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ہمارے لئے ایک اہم چیز کشف کی اور وہ یہ کہ رسولؐ کے اقرباء، کرامات کے مالک ہیں جو صاحبان عقل سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر یہ خدا سے کوئی چیز طلب کریں تو یقیناً خدا ان کی دعا مستجاب کرے گا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے دیکھا کہ مسلمانوں کو قحط اور بھوک جیسے خطرات لاحق ہیں تو انھوں نے رسول خداؐ کے اقرباء کی پناہ لی۔ اور اس وقت پروردگار عالم کی اجازت سے رسولؐ کے اقرباء کے احترام میں بارش ہوگئی۔

ان روشن حقائق کے بعد، وہابیت بھلا کیسے انکار کر سکتی ہے اور وہ مسلمان جو خود کو حق کی شناخت سے دور کر لیتے ہیں کہاں ہیں؟

ان باتوں کے اوپر مجھے ایک قصہ یاد آتا ہے کہ مرحوم شیخ جلول جزائری جو، تیونس میں زیتونہ کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے، خداوند عالم نے ان پر احسان کیا اور میرے ذریعہ راہ ہدایت دکھائی۔ انھوں اپنی آخری کتاب تحریر فرمائی اور اس میں غدیر کا واقعہ، امیر المومنینؑ کی بیعت اور اہل بیتؑ کے فضائل تحریر میں لائے ہیں۔

انھوں نے مجھے ایک واقعہ بتایا:

گذشتہ زمانہ میں، تیونس کا (دارالحکومت) سخت قحط میں گرفتار ہوا اور نزدیک تھا کہ لوگ ہلاک ہوجائیں، گرچہ کئی مرتبہ نماز استقاء پڑھی گئی لیکن زمین ویسے ہی خشک پڑی رہی اور آسمان سے کوئی قطرہ نہ ٹپکا۔ لوگ اپنی فریاد لے کر ایک خدا پرست شخص بنام شیخ ابراہیم ریاحی کے

پاس آئے اور ان سے دعا کرنے کو کہا، کہ شاید ان کی دعا مستجاب ہو جائے۔

انھوں نے ان سے کہا:

اشراف (۹۰) میں سے (یعنی سادات بنی فاطمہؑ) ۱۰۰ افراد کو اکٹھا کرو اور میرے پاس لاؤ تاکہ ان کے ساتھ نماز استسقاء پڑھیں۔

اشراف میں سے ۱۰۰ آدمی آئے اور انہوں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ ابھی ان کی نماز تمام بھی نہ ہوئی تھی اور شدید گرمی پڑ رہی تھی لیکن ایسی تیز بارش آئی کہ گویا بادل پھٹ پڑا ہو۔ اور تین روز تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور تمام دڑے پانی سے بھر گئے۔ یہ بھی اہل بیتؑ کی کرامت ہے جو زماں و مکاں کی پابند نہیں ہے۔

بحمد اللہ میں نے اہل بیتؑ کے مذہب کی ہدایت پانے کے بعد جو سب سے پہلی کتاب تحریر کی وہ ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ ہے مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس درجہ مشہور ہوگی اور لوگوں میں مقبول ہوگی۔

لہٰذا اس مناسبت سے بہتر ہوگا ایک بہترین نکتہ کا تذکرہ کروں جسے میرے گرانقدر دانشور عزیز بھائی جناب ڈاکٹر اسعد علی صاحب نے بیان کیا اور ہمیں متوجہ فرمایا:

جب میں ان سے ملاقات کی غرض سے ﴿مزہ﴾ ﴿شام﴾ گیا تو ان سے مختلف باتیں ہوئیں۔ ان کے کچھ دوست اور مرید بھی اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ایک ایسی بات کہی جس سے میرا دل شاد ہوگیا۔ کہنے لگے ہم نے تمہاری کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ کو پڑھا اور اس کتاب کے راز کو سمجھ گیا۔

میں نے تعجب سے کہا:

کیسا راز؟

انھوں نے کہا: جس وقت پہلی مرتبہ تم امام موسیٰ کاظمؑ کی زیارت کو گئے

اور ان کے یہاں وارد ہوئے اور کہا:

خدایا اگر یہ صالح لوگوں میں سے ہیں تو ان پر رحم کر۔ انھوں نے بھی خدا کے حکم پر عمل کیا کہ وہ فرماتا ہے: پس اگر کسی نے تم پر درود بھیجا اور تمہیں سلام کیا تو تم بھی اس کے سلام کا جواب دو یا پھر اس کے سلام سے بہتر جواب دو۔ (نساء/۸۶)

جب تم نے کہا خدایا ان پر رحم کر تو انھوں نے تمہیں اس سے بہتر جواب دیا اور خدا سے تمہاری ہدایت چاہی۔ اور کہا: ﴿اللّٰهم اهده﴾ خداوند عالم نے بھی ان کی دعا کو مستجاب کیا اور تمہاری ہدایت فرمائی اور پھر تم نے یہ کتاب لکھی تمہاری کتاب کی کامیابی کا یہی راز ہے۔

یہ وہ حقیقت ہے جس پر مجھے یقین ہے اور میرے دل میں راسخ ہو چکی ہے مجھے اس بات پر یقین ہے کہ اہل بیتؑ علیہم السلام میری کتاب کی کامیابی کا راز ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور اس لئے کہ جس کو بھی دیکھا وہ اس کتاب کے متعلق خوشی اور تعجب کا اظہار کرتا نظر آیا۔ یہ کتاب بیس بار سے بھی زیادہ چھپ چکی ہے(۹۱)۔ اور ستر زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے اور اس روئے زمین پر ہزاروں مسلمان، خصوصاً افریقا جہاں پہلے کوئی شیعہ نہ تھا اور وہ مسلمان جو کوئی مذہب نہیں رکھتے اور اپنی فطرت کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں انھوں نے بھی اس کتاب کے ذریعہ ہدایت پائی ہے۔ اور اہل بیتؑ سے متمسک ہوئے ہیں۔

ہے، پھر انٹیلی جنس کے افسر سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: یہ شخص اپنے ساتھ ۳ ہزار کتاب لایا جو کفر سے بھری ہے اور دس کروڑ کی رقم لایا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان تقسیم کرے اور ان کو انقلاب اور سرکشی کے لئے بھڑکائے!

میں نے سخت لہجہ میں جواب دیا:

ا۔ میری کتاب کفر نہیں ہے اور انقلاب کی دعوت نہیں دیتی اگر ایسا ہوتا تو اس کا ایک نسخہ صدر جمہوریہ کو بطور ہدیہ نہ بھیجتا اور اصلاً تیونس نہ آتا۔

۲۔ اگر تین ہزار نسخہ اپنے ساتھ لانا چاہتا تو مجھے ایک ٹرک کی ضرورت ہوتی جس پر اسے لاد سکتا تھا۔ اور آپ نے اس گاڑی کو دیکھا ہے اور اس وقت آپ کے قبضہ میں ہے آپ خود اس میں بھریئے اور دیکھئے اس میں کتنی جگہ ہے!

۳۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے دس کروڑ کی خطیر رقم لوگوں میں تقسیم کی ہے اگر سچ کہتے ہیں تو ایک آدمی کو لایئے جو کہے میں نے اسے ایک پیسہ بھی دیا ہے۔

اور پھر میں چوری سے نہیں آیا ہوں بلکہ قانونی ڈھنگ سے آیا ہوں اور دیگر لوگوں کی طرح میری مکمل تلاشی لی گئی ہے۔ اگر دس کروڑ میرے پاس ہوتا تو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑتے اور مجھ سے جواز مانگتے آپ خود ان مسائل کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔

اسے لگا کہ میری باتیں صحیح ہیں، تو اس نے سوال کیا: تم کتنی جلد کتابیں لائے ہو۔

میں نے کہا: ۲۰۰ جلد

اس نے کہا: تم نے جن ۲۰۰ لوگوں کو کتابیں ہدیہ کی ہیں ان کے نام بتاؤ۔

میں نے کہا: یہ ممکن نہیں ہے! ایسا نہیں کہ میں بتانا نہیں چاہتا بلکہ ان کے

نام سے واقف نہیں ہوں۔ ان میں بہت سے میرے پرانے شاگرد ہیں کہ ۱۰ سال سے زائد عرصہ سے انھیں دیکھا نہیں ہے اور صرف قیافہ اور چہرہ سے انھیں پہچانتا ہوں نہ کہ نام سے۔

خلاصہ یہ کہ رائے و مشورہ کے بعد انہوں نے یہ طے کیا کہ آج شب مجھے رہا کردیں پھر کل صبح میں ان کے پاس آجاؤں، میں نے ان کے پاس دوسرے روز صبح اوّل وقت پہنچ گیا۔ مجھے ایک گاڑی پر سوار کیا گیا اور میرے ساتھ دو نگہبان بھی کردیئے کہ میں اطراف کے دیہاتوں میں جاؤں اور جہاں تک جانتا ہوں کتابیں لوگوں سے واپس لے لوں۔

راستے میں مجھے پتہ چلا کہ دونوں نگہبان بھی ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: استاد! آپ نے مجھے فراموش کردیا اور بھول گئے؟ میں آپ کا شاگرد ہوں۔ ۱۹۷۰ء کے بعد سے میں مدرسہ ﴿ترشیح المعلمین﴾ میں تھا۔ خدا کی قسم کل رات مجھے نیند نہ آئی کیونکہ میں نے آپ کی کتاب مرکز سے حاصل کی تھی اور پوری پڑھ ڈالی اور اس وقت میں آپ کی طرح ہوں۔ (یعنی شیعہ ہوں)

دوسرے نے کہا: میں بھی دو روز قبل آپ کی کتاب کا مطالعہ کیا اسے میرے ایک دوست نے مجھے دیا تھا۔ یقین جانیے میرے لئے اس کتاب نے بہت سی باتوں کو واضح کردیا وہ مشکلات جو میرے ذہن میں تھیں ان کو قائل کرنے والا جواب میرے پاس نہ تھا وہ آپ کی کتاب میں مل گیا پس میں بھی شیعہ ہوں۔

اس عجیب اتفاق پر میں بہت ہنسا اور پورے راستہ میں ذرا بھی تھکاوٹ محسوس نہ ہوئی۔

لیکن جہاں تک ممکن تھا تین روز میں مختلف علاقوں سے کتابیں اکٹھا کر

لیں اور حکم کے مطابق جس کے پاس بھی کتاب ملی اسے پولیس اسٹیشن بلایا گیا۔

گورنر صاحب سے میں نے ملاقات کی۔ ایک مختصر گفتگو کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا: مجھے تم سے بہت ڈرا دیا گیا تھا اور تمہارے متعلق کہہ رہے تھے کہ یہ ایک کٹر شیعہ ہے جسے خمینی (قدس سرہ) کی طرف سے مدد حاصل ہے اور وہ بہنوں سے شادی کو جائز سمجھتا ہے!

میں مسکرایا اور بولا: اب مجھے یاد آیا شیر خوارگی کی وہ داستان جو اسی کتاب میں تحریر ہے۔ وہ بھی مسکرائے اور میز کی دراز سے کتاب کو باہر نکالا اور کہا: تم نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے لیکن میں تمہیں اس بات پر سرزنش کرتا ہوں کہ تم نے ایک نسخہ ہمیں کیوں نہ ہدیہ کیا؟

اگر تم ہو پہلے جب ﴿قفصہ﴾ میں وارد ہوئے تھے کتاب مجھے دیتے تو ان مشکلات کا سامنا نہ ہوتا۔ لیکن افسوس کہ بات اب ہماری قدرت سے نکل چکی ہے اور عدالت کے ہاتھوں میں ہے اور اب آخری فیصلہ انھیں کا ہوگا۔

اس کے بعد تم ہمارے پاس آؤ تاکہ تمہارا پاسپورٹ تمہارے حوالہ کر دیں تاکہ سلامتی کے ساتھ سفر کر سکو۔

ان کی باتوں سے ہمیں اندازہ ہوا کہ ان کے نزدیک ہماری بے گناہی ثابت ہو گئی اور وہ اس پروپگنڈوں کو سمجھ گئے اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میری کتاب پیرس سے رئیس جمہوریہ کے پاس آئی ہے تو اس قضیہ کو عدالت کے حوالہ کر دیا تاکہ صرف کتاب کے متعلق بحث کریں کہ آیا یہ کتاب دین اور نظام کے لئے خطرہ ہے یا نہیں؟

میں عدالت روانہ ہوا جبکہ ہدایت پانے والے ساتھیوں نے کہا کہ جن لوگوں سے بھی پوچھ گچھ کی گئی انھوں نے آپ کے متعلق سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں کہا۔

جو سوالات ان سے کئے گئے یہ ہیں:

۱۔ "تیجانی سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟"

۔ "وہ میرے دوست یا استاد ہیں۔"

۲۔ "کیا تمہیں پیسہ بھی دیا ہے؟"

۔ "ہمیں انھوں نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔"

۳۔ "کیا تم سے پیسہ مانگا؟"

۔ "نہیں، مجھ سے کوئی پیسہ نہیں مانگا۔"

میں نے عدالت میں قاضی صاحب سے ملاقات کرنا چاہی۔ اجازت کے بعد ان کے پاس پہنچا، دیکھا میری کتاب ان کی میز پر ہے۔

میں نے کہا: جناب عالی! میں اس کتاب کا مصنف ہوں اور صرف ایک ہفتہ کے لئے تیونس آیا تھا لیکن اس وقت ایک ماہ سے زیادہ ہے کہ میں کسی گناہ کے بغیر معطل ہوں میرے اعصاب پریشان ہیں اس لئے کہ میرے بیوی بچے اکیلے پیرس میں پڑے ہوئے ہیں!

وہ میری بات کو کاٹ کر کہنے لگے: میں پوری کتاب پڑھوں گا پھر حکم دوں گا، ابھی صرف تیسرا حصہ پڑھا ہے اور ان شاء اللہ آج رات مکمل کر لوں گا پھر کل حکم دوں گا۔

میں نے کہا جناب عالی میں جلدی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔

انھوں نے کہا: کل بعد از ظہر آ جاؤ۔

میں واپس آ گیا۔ اور مقررہ وقت پر وہاں پہنچا اور دیکھا جج صاحب دروازہ پر کھڑے ہیں انھوں نے مجھے گلے سے لگا لیا اور خاص احترام کے ساتھ کہا: جناب ڈاکٹر صاحب! اس کتاب میں جو کچھ ہے اس کی میں تصدیق کرتا ہوں اور ان سب پر میرا ایمان ہے۔

الف) جغرافیہ اور سیاحت میں: رازی، ابوعبیدہ بکری، غروی، ادریسی، ابن جبیر اور ابن بطوطہ تھے۔

ب) علم ہیئت اور نجوم: طلیطلہ، قرطبہ، بغداد، دمشق، سمرقند اور فارس میں بڑے علمی رصد خانے تھے۔

ج) ہندسہ میں: گوستالوبون کہتا ہے: یورپ نے فن معماری عربوں سے حاصل کیا لہٰذا بعض فرانسیسی گرجا گھروں میں سنگ کاری کے اندر عربی خطوط کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔

د) ریاضی میں: سدیر یورپی مستشرق کہتا ہے: علم ریاضی پر عربوں کی خاص عنایت تھی اس میدان میں وہ واقعاً ہمارے استاد ہیں۔ لؤنار دالپیزی نے «الجبرا» سے متعلق ۱۲۰۰ رسالے لکھے اور یہ سب کچھ اس نے عربوں سے حاصل کیا حتیٰ کہ وہ اپنی کتاب (تاریخ عرب) میں لکھتا ہے: صفر جس نے ریاضی کی سب سے بڑی مشکل کو حل کیا وہ اندلس سے یورپ لایا گیا۔

ھ) فیزکس میں: ابن ہیثم اس علم کے استاد شمار ہوتے ہیں۔

و) کیمسٹری، صنعت، زراعت اور علم طب وغیرہ میں مسلمان ہی پیش پیش تھے اس کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی طرف رجوع کریں۔ یہی کافی ہے کہ آج بھی مغربی یونیورسٹیوں میں بوعلی سینا کی کتاب «شفا» پڑھائی جارہی ہے۔

۲۲۔ نہج البلاغہ، کلمات قصار، نمبر ۴۳۸۔

۲۳۔ صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۹۸۷۔

۲۴۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۲۷۔

۲۵۔ سورۂ حج، آیت ۷۸۔

۲۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷ / ج ۸، ص ۳۶۔

۲۷۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۳۳۔

۲۸۔ اگر صیہونیوں نے فلسطین پر قبضہ کر رکھا ہے تو بہت سے اسلامی ممالک پر اقوام متحدہ کے فرمانبرداروں اور کارندوں کا قبضہ ہے۔ من جملہ ان میں حجاز ہے۔ میں عراق سے اردن اور اردن سے حج کے لئے روانہ ہوا اور سات گھنٹے تک جدہ ایئر پورٹ پر معطل رہا، وہیں پر اندازہ ہوا کہ حاجیوں کے ساتھ کس قسم کا معاملہ ہو رہا ہے۔ حجاج فریاد بلند کر رہے تھے۔ لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ایئر پورٹ کے کارندے بدترین اور سخت ترین رویہ حجاج کے ساتھ برت رہے تھے۔ گویا کہنا چاہ رہے تھے کہ ہم بے نیاز ہیں او رہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، جاؤ اور خیموں میں پڑے رہو، وہی خیمے جنھیں دراصل پورے امکانات کے ساتھ بلڈنگ کی صورت میں ہونا چاہیے تھا۔ اور حجاج کے آرام و آسائش کے اسباب مہیا ہونے چاہیے تھے جو کہ خود حاجیوں کے پیسے سے تیار کئے گئے ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ پیسہ اور پیٹرول کا ایک بڑا حصہ امریکا روانہ ہوجاتا ہے تاکہ امریکی قوم اور صیہونی اس سے فائدہ اٹھائیں اور ان کے آرام و آسائش میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اور فرانس کے سکہ «فرانک» کو قوت ملتی رہے۔

۲۹۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹۱ / السنن الکبریٰ، ج ۱۰، ص ۹۳۔

۳۰۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۹، ح ۷۸۔

۳۱۔ صحیح مسلم۔ ج ۱، ص ۷۰، ح ۸۰۔

۳۲۔ کتنا دردناک ہے کہ مغرب میں تو سننے والے کان موجود ہیں لیکن اسلامی ملکوں میں دور دور تک ان کا پتا نہیں ہے۔

۳۳۔ نہج البلاغہ کے خط نمبر ۵۶ کی طرف رجوع کریں۔

۳۴۔ نووی کی «ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین»، انور رفاعی کی

﴿الانسان العربی والحضارة﴾، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ﴿روائع حضارتنا﴾ اور محمد کرد علی کی ﴿الاسلام والحضارة العربیه﴾ اور بھی دیگر کتب موجود ہیں۔

۳۵۔ کتاب ﴿امام الصادق(ع) کما عرفه علماء الغرب﴾ ترجمہ ڈاکٹر نورالدین آل علی۔

۳۶۔ ڈاکٹر ہاشمی کی ﴿الامام الصادق ملهم الکیمیاء﴾ ص۱۵۶۔

۳۷۔ سورۂ بینہ، آیت ۷۔

۳۸۔ مناقب خوارزمی، ص ۶۲۔

۳۹۔ الدر المنثور، ج ۸ ص ۵۸۹ / تذکرۃ الخواص، ص ۱۸۔

۴۰۔ گذشتہ حوالہ۔

۴۱۔ الدر المنثور، ج ۸ ص ۵۸۹۔ تذکرۃ الخواص، ص ۱۸۔

۴۲۔ ابن حجر کی الصواعق المحرقہ، ص ۱۷۱۔

۴۳۔ مناقب خوارزمی حنفی، ص ۶۲۔

۴۴۔ اور ہم شیعہ بھی ایسے ہی ہیں۔ لہٰذا جب ان سے کہتے ہیں کہ علیؑ شہر علم کے باب ہیں تو فوراً چیخ کر کہتے ہیں شہر علم کے کئی دروازے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم حضرت کی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ نے اسلام کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا تو واویلا کرتے ہوئے شور مچائیں گے کہ تم تاریخ کو بالائے طاق رکھنا چاہتے ہو۔

اور ان تمام اسلامی فتوحات کو فراموش کرنا چاہتے ہو!

اور یہ باتیں اس صورت میں ہیں جب گفتگو ٹھنڈے انداز میں ہو رہی ہو۔ لیکن شیعوں کے حق میں ظلم و ستم کے یہ پوری طرح موافق ہیں۔ جناب فاطمۂ زہراء کا گھر جلانا، امام حسینؑ کے قتل کا فتویٰ علویوں (اولاد رسولؐ) کا قتل، حلب

وجامعۃ الازہر کو سنی بنا دینا، سادات اور اولاد رسولؐ کا قتل عام، اور حج کے موسم میں سینکڑوں ایرانی زائرین خانۂ خدا کا قتل، اسلامی جمہوری ایران کے ساتھ جنگ، عراق کے مشہور علماء مثلاً آیۃ اللہ سید محسن حکیم کے فرزندوں کا قتل، عظیم مفکر آیۃ اللہ سید باقر الصدر قدس سرہ کا قتل۔

ہم تو ان کو ایک مثبت گفتگو کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ حق اور اہل حق پہچانے جائیں لیکن وہ ہم کو چپ رہنے اور سکوت کا حکم دیتے ہیں ان سے ہمیں جو کچھ ملا وہ ہمارا قتل، ظالموں اور ستم گروں کے ساتھ تعاون، ظالم وجابر حکام و امراء کے دفاع کے سوا اور کیا تھا؟

۴۵۔ یہ بدنظمی صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہم بہت سی جگہوں پر دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کے مختلف فرقے مساجد (بالخصوص مسجد النبیؐ اور مسجد الحرام میں) اس مسئلہ پر توجہ نہیں دیتے۔

۴۶۔ جب حضرت امام خمینیؒ پیرس میں تھے ایک روز نماز جماعت کی اہمیت اور صف کے متعلق لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے ان کے من جملہ فرمودات جو میں بھول نہیں سکتا یہ ہے:

> جب ہم بورسا (ترکیہ) شہر بدر کیے گئے تھے تو کبھی کبھی نماز جمعہ میں شرکت کرتے تھے اور میں اس نظم وصف بندی میں لذت محسوس کرتا تھا۔ اور کتنا دلچسپ تھا کہ امام کے تکبیر کہنے کے ساتھ ہی ایک لحظہ میں سب لوگ منظم صف کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور پوری نماز کے دوران اور اس کے بعد سوائے سانس لینے کی آواز کے کوئی اور آواز نہ آتی تھی۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کیوں ہم شیعوں کے درمیان ایسی کیفیت نہیں پائی جاتی۔

۴۷۔ لیکن توجہ رکھنی چاہیے کہ جو گناہ گار علی الاعلان گناہ نہیں کرتا اس کی بھی اقتدا نہیں کی جاسکتی۔

۴۸۔ گذشتہ اور عصر حاضر کے بعض علما بھی نماز جمعہ کو واجب جانتے ہیں اور اسے قائم کرتے ہیں مثلاً آیۃ اللہ العظمیٰ اراکیؒ نے پچاس سال سے پہلے شہر قم میں نماز جمعہ قائم کی جبکہ اسی زمانہ میں بعض علماء نماز جمعہ قائم نہیں کرتے تھے (مترجم)

۴۹۔ سگریٹ نوشی کی مذمت بہتر اور پسندیدہ ہے لیکن مراجع کے لئے فریضہ معین کرنا ایک طرح کی افراط ہے جس سے خود جناب مصنف کو گریز کرنا چاہئے علماء اپنے فرائض کو بہتر سمجھتے ہیں، البتہ جناب مصنف کی یاد دہانی بجا ہے اور اگر علماء اسے صریحاً حرام نہیں کرتے تو بہتر ہے کہ اس سے اپنی نفرت کا قطعی اظہار فرمائیں اس لئے کہ اس کا نقصان کسی سے چھپا نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ حکماء اور ڈاکٹر بھی اس کے نقصان پر متفق نہیں ہیں ورنہ اگر کوئی چیز انسان کیلئے قطعاً مضر ہو تو بہت سے علماء کے فتوے کے مطابق حرام ہے، بہرحال اس مسئلہ میں زیادہ غور کرنا چاہئے اس لیے کہ مراجع کے نظریات لوگوں کے اظہار نظر سے کہیں بالا ہیں۔ گرچہ ممکن ہے کہ علماء ایک کلی نظریہ دیں اور اس کے جزئیات یا موضوع کی تطبیق میں خاموش رہیں۔ (مترجم)

۵۰۔ صحیح مسلم/ ج ۲، ص ۶۵۴ (باب الشفاعۃ) مرحوم سید محسن امین اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: (حتماً یہ چالیس آدمی نجدی (وہابی) عربوں میں سے ہونے چاہئیں تا کہ ان کی شفاعت قبول ہو۔

۵۱۔ صحیح مسلم/ ج ۲، ص ۶۵۴۔

۵۲۔ طبرانی نے معجم الصغیر/ ج ۲ ص ۸۲ پر اس کو روایت کیا ہے بیہقی نے اسناد صحیح اور معتبر دلائل کے ساتھ اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی جلد ۵/ ص ۴۸۹ پر تذکرہ کیا ہے اور دیگر احادیث میں آیا ہے کہ آدمؑ و نوحؑ نے خدا کو آل عبا (پنجتن پاکؑ) کی قسم دی اور انھیں وسیلہ بنایا۔

۵۳۔ صحیح بخاری، ج/ ۸ ص: ۱۱۲ کتاب الرقاق/ باب الحوض۔

۵۴۔ سورۂ مائدہ/ آیۃ ۴۷۔

۵۵۔ سورۂ مائدہ/ آیۃ ۴۳۔

۵۶۔ سورۂ مائدہ/ آیۃ ۴۷۔

۵۷۔ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت رسول اکرمؐ خدا کے اذن سے تشریع کا حق رکھتے ہیں۔

۵۸۔ صحیح بخاری، ج ۴، ص ۱۰۰ باب دعا النبیؐ الی الاسلام والنبوۃ۔

۵۹۔ صحیح بخاری، ج ۵، ص ۱۰۴، کتاب المغازی باب الشھو والملائکہ۔

۶۰۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۷۲ اور ۷۳ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۹، کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضو۔

۶۲۔ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۲۵۴، کتاب ﴿الشروط باب الشروط فی الجهاد والمصالحه مع اهل الحروب﴾

۶۳۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۷۰۔ کتاب الوضو باب البزاق والمخاط۔

۶۴۔ صحیح بخاری، ج ۴، ص ۷۳ کتاب الجهاد والسیر/ صحیح مسلم ج ۴، ص ۱۸۷۲، ح ۲۴۰۶

۶۵۔ ظاہراً یہاں پر مرگی مقصود ہے۔

۶۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۹۶۔

۶۷۔ صحیح بخاری، ج ۴، ص ۲۳۳، کتاب ﴿بدء الخلق باب علامات النبوۃ فی الاسلام﴾

۶۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۳۴، کتاب بدء الخلق باب علامات النبوۃ فی الاسلام

۶۹۔ صحیح بخاری، ج ۴، ص ۲۳۵، کتاب بدء الخلق

۷۰۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۹۳/ صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۹۵۹۔

۷۱۔ صحیح بخاری، ج ۶، ص ۱۷۔

۷۲۔ اس گفتگو کو ابن ابی الحدید معتزلی نے (جلد ۵، ص ۱۳۰) پر نقل کیا ہے اور اسی طرح کتاب ﴿النصائح الکافیه لمن یتولیٰ معاویه﴾ ص ۱۲۳ میں ابن اثیر وطبری سے نقل ہوا ہے۔

۷۳۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۶۶۹، حدیث نمبر ۱۰۳

۷۴۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۹، باب زیارت القبور، کتاب الجنائز

۷۵۔ تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۱۷۳۔

۷۶۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۷۷۔

۷۷۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷

۷۸۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۰۵/ سنن ابوداؤد، ج ۴، ص ۲۷۶، حدیث ۴۹۰۴

۷۹۔ البتہ کتب اہل بیتؑ میں بھی مکلف بیماری کے خوف کے تحت وضو کی جگہ پر تیمم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام صادقؑ سے روایت ہوئی ہے ﴿التراب احد الطهورين﴾ مٹی پاک کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔

۸۰۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۹۰، حدیث ۷۰۸، کتاب الصلوۃ باب الجمع بین الصلاتین۔

۸۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۴۳، کتاب مواقیت الصلوۃ۔

۸۲۔ اس معنی میں کہ ہرایک کیلئے اس کی ضرورت کے مطابق حق قرار دیا ہے (بنیاد معارف اسلامی)۔

۸۳۔ کتب تاریخ نے نقل کیا ہے کہ عورتیں آنحضرتؐ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور ان میں سے بعض نے آنحضرتؐ سے یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہمارے لئے ایک شوہر کا انتخاب فرمائیے۔

روایت ہے کہ عورتیں آنحضرتؐ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ہم آپ کے وجود سے مستفید ہونا چاہتے ہیں لیکن مردوں کی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے لئے ایک وقت معین فرمایا کہ فلاں وقت فلاں شخص کے گھر حاضر ہوں اور خود آنحضرتؐ اس مقررہ وقت میں وہاں تشریف لے جاتے اور ان سے گفتگو کرتے۔ اسی طرح بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے بعض عورتوں کو کام کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ من جملہ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی جو شوہر اور بچوں کی خاطر کام کرنے پر مجبور تھیں، آنحضرتؐ نے فرمایا: تیرے لئے اجر وثواب ہے۔ تو ہمیشہ ان پر انفاق کرتی ہے پس انفاق کرتی رہ۔

۸۴۔ اس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿ومن آیاته ان خلق لکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون﴾ اور ﴿ومن آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون﴾ (روم/۲۱-۲۰)۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر یکایک تم آدمی بن کر زمین پر چلنے پھرنے لگے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ساتھ رہ کر چین کرو اور تم لوگوں کے درمیان پیار والفت پیدا کردی اس میں شک نہیں ہے کہ اس میں غور کرنے والوں کے لئے (قدرت خدا کی) یقینی بہت سی نشانیاں ہیں۔

۸۵۔ اور یہ روایت صحیح بخاری کی جلد ۶ صفحہ ۶۶۔ کتاب تفسیر القرآن باب قوله ﴿یا ایها الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم﴾ کے بیان میں ملاحظہ ہو سکتی ہے۔

۸۶۔ شرح معانی الآثار ج ۳، ص ۲۶ تفسیر طبری، ج ۵ ص ۹۔ اور مزید تفصیل کے

لئے مؤلف محترم کی کتاب ﴿بچوں کے ساتھ ہوجاؤ﴾ کا مطالعہ کریں۔ نیز اس کے متعلق دیگر کتب بھی موجود ہیں من جملہ۔ ﴿فصول المہمہ﴾ (شرف الدین) ﴿مسائل فقہیہ﴾ (شرف الدین ﴿البیان﴾ (الخوئیؒ) ﴿الغدیر﴾ (امینی) ﴿المتعہ فی الاسلام﴾ (سیدحسن مکی) ﴿الزواج الموقت﴾ (سید محمد تقی حکیم) ﴿الزواج الموقت فی الاسلام﴾ (سید جعفر مرتضیٰ)۔

۸۷۔ البتہ وقتی شادی (متعہ) کی صورت میں۔

۸۸۔ کتاب الجمع بن الصحاح الستہ، باب علامات الساعۃ اور کتاب عقائد الاسلامیہ از سید سابق اور مسند احمد ابن حنبل، ج۱، ص۳۷۶ و۳۷۷۔۴۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۵، ص۱۹۸، ج ۱۹۴۹۴۔

۸۹۔ اس سلسلہ میں بنیاد معارف اسلامی نے عربی زبان میں بے نظیر دائرۃ المعارف ۴۲۰ مصادر کے حوالہ سے چھاپا ہے جس میں سنی وشیعہ دونوں ہی مصادر شامل ہیں اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۹۰۔ اشراف تیونس میں آل رسول کو کہتے ہیں جو اولاد حضرت زہرا (س) اور حضرت علی علیہ السلام سے ہوں۔

۹۱۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ ﴿آنگاہ ہدایت شدم﴾ بنیاد معارف اسلامی کی جانب سے ابھی تک ۱۹ مرتبہ کافی تعداد میں چھپ چکا ہے اسی طرح اردو زبان میں مختلف مرتبہ چھپ چکا ہے (مترجم)۔

Nazar Abbas
7-8-2004